خیر الاذکار فی مناقب الابرار

تصنیفِ لطیف

گلستانِ قبلہ عالم کے عندلیبِ خوشنوا

مولانا محمد بن غلام محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہما

مقدمہ، ترجمہ و تحشیہ

غلام جیلانی چاچڑ، نقشبندی (فاضل جامعہ انوار العلوم، ملتان)

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

"سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم"

شیخ المشائخ، غیاث العاشقین، قبلۂ عالم و عالمیاں، کعبۂ اہل ذوق و عرفاں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی، شیخ المشائخ، قطب الطریقت، فرد الحقیقت حضرت خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ اور حضور قبلۂ عالم کے برادر طریقت، میدانِ عشق کے مردِ جانباز حضرت حافظ محمد سلطان پوری (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی حیاتِ طیبہ کے روشن اوراق

خَیْرُ الْأَذْکَار فِی مَنَاقِبِ الْأَبْرَار

تصنیفِ لطیف

گلستانِ قبلۂ عالم کے عندلیبِ خوشنوا

مولانا مُحمّد بن غلام مُحمّد گھلوی رحمۃ اللہ علیہما

مقدمہ، ترجمہ و تحشیہ

غلام جیلانی چاچڑ، نقشبندی (فاضل جامعہ انوار العلوم، ملتان)

ناشر

مہاروی چشتیہ رِباط پبلی کیشنز پرانی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر

شناس نامہ کتاب

سلسلہ مطبوعات (۴)

نام کتاب: خیر الاذکار فی مناقب الابرار

مصنف: بلبل ہزار داستان مولانا محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: غلام جیلانی چاچڑ نقشبندی

کمپوزنگ: محمد مجاہد ترک

طابع: الکتاب گرافکس، وحید پلازہ ملتان

اہتمامِ طباعت: صاحبزادہ محمد اسلم مہاروی

اشاعت اوّل: ذی قعدہ: ۱۴۳۷ھ......اگست ۲۰۱۶ء

تزئین وطباعت: اللہ بخش 0321-6345534 0300-6375837

تعداد: ایک ہزار

قیمت: -/450روپے

ناشر

مہاروی چشتیہ رِباط پبلیکیشنز، پرانی چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر

www.chishti-maharvi.com

Email: chishtiya.ribbat@gmail.com

0300-6983380

ملنے کے پتے

۱۔صاحبزادہ محمد اسلم مہاروی

ڈسپوزل روڈ پرانی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر

۲۔غلام جیلانی چاچڑ

المصور اسلامیہ پبلک سکول چک راؤ، تحصیل جتوئی ضلع مظفر گڑھ

0308-6759246

ترتیب

شمار	عناوین	صفحہ
1	شرفِ انتساب	11
2	ہدیۂ سپاس	12
3	مقدمہ از: مترجم	13
4	حالاتِ مصنّف......از: مترجم	23
5	مآخذ ومراجع	60
6	تصدیقاتِ علماء کرام	62
7	خوش بخت مرید	72
8	بےغرض محبّتیں	73
9	پہلی فصل	
10	شاہ فخر جہاں دہلویؒ کے تین مناقب	75
11	مائی ہیر کا گھر دیکھنے کا شوق	75
12	دلوں کے جاسوس	76
13	شیخ مرائی اور مولانا کی ضیافت طبع	79
14	احوال وآثار قبلۂ عالم وعالمیاں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ	82

شمار	عناوین	صفحہ
15	شاہ نارووالہ کا مقام قبلۂ عالم کی نظر میں	83
16	مولانا گھلوی مزارِ شیخ پر	85
17	گھلوی صاحب قبلۂ عالم ے حضور	87
18	کرامت قبلۂ عالم	88
19	نواب غازی الدین کی فی البدیہہ نظم سنجی	89
20	مؤلف کتاب بغرض استفادہ قبلۂ عالم کے حضور	90
21	مؤلف خیر الاذکار کی بارگاہِ قبلۂ عالم میں پہلی حاضری	94
22	قدموں میں تیرے جینا مرنا	95
23	مولانا گھلوی دو شیروں کے درمیان	97
24	مولانا گھلوی کی وطن واپسی	100
25	مسجد سے چوری کرنا کیسا	101
26	چوں غلام آفتابم	102
27	جشن شاہی کا سماں	102
28	دیوانہ، پروانہ وار کود پڑا	103
29	مولوی احمد دین واعظ کا گستاخانہ انداز	104
30	قبلۂ عالم کا دندان شکن جواب	104
31	دوسری فصل: شیخ المشائخ خواجہ نور محمد ثانی کے مناقب کے بیان میں	
32	مکتوب گرامی نمبرا	106
33	مکتوب گرامی نمبر۲	107

شمار	عناوین	صفحہ
34	مکتوب گرامی نمبر ۳	109
35	مکتوب گرامی نمبر ۴	111
36	ساقی تیری نوازشیں	113
37	شوق طوافِ کعبہ	113
38	دیوانہ باش	114
39	سینے کے داغ	114
40	آ، میرے آفتاب شوق	115
41	نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین	117
42	شالا مولھ سلامت نیواں	118
43	تسبیح فاطمہ میں تعیین تعداد کی حکمت	119
44	ساقی تیری نوازشیں	121
45	غیب سے چار پائی	123
46	قدم تیڈے وچ نومن بھاگ	125
47	تھیاں سر سبز فرید دیاں جھوکاں	127
48	بندۂ مومن کا ہاتھ	129
49	بندگانِ غیب دان	130
50	دل سے جو بات نکلتی ہے	132
51	زندگی کی بہاریں لوٹتی رہی	133
52	پانی پانی کر گئی	134

شمار	عناوین	صفحہ
53	کون کب مرے گا؟ حاشیہ	134
54	فراست مومن کے چند واقعات	135
55	شانِ استغناء	137
56	لڑ پیر کامل چھوڑ نہ	140
57	نہ علماں وچ پھسا سانوں	142
58	شاہ نارو والہ وقت کے گنج شکر	144
59	عقیدتوں کے گلاب	146
60	خلیفہ صاحب پر وجدانی کیفیت	149

تیسری فصل

شمار	عناوین	صفحہ
61	سیدنا حافظ محمد سلطان پوری کے فضائل اور مناقب کے بیان میں	153
62	عشق انسان کی ضرورت ہے	153
63	دل جلے عاشق کا سفر	155
64	مرغ نیم بسمل	157
65	عریضۂ نیاز	157
66	کچھ سوجھتا ہی نہیں محبت کے سامنے	158
67	رانجھا ساڈے ویڑھے وڑیا	159
68	قدم کی کرشمہ سازیاں	160
69	بخشیں واگ ولائی اویار	160
70	نظر سے نظر ملی ہوش کھودیا	161

شمار	عناوین	صفحہ
71	روح پرور انداز ملاقات	163
72	بھولنا اک بھول سی ہو گی	164
73	دیوانہ وار چکر	164
74	حضرت سیرانی کے مزار پر فاتحہ خوانی	167
75	حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات	169
76	تبرک شیخ	170
77	سوچتے ہیں تجھے وضو کر کے	171
78	قبلۂ عالم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف	172
79	آنکھوں کو شغل گریاں رہا	173
80	جلوۂ معشوق کی کرشمہ سازیاں	173
81	تصور شیخ اصل مراد	175
82	جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے	176
83	ٹوٹ کر میں جسے چاہتا رہا	176
84	اولیاء اللہ مرتے نہیں	177
85	مرا زندہ پندار چوں خویشتن	178
86	صاحبِ نسبت اہل اللہ	179
87	روٹھ گئے دن بہار کے	180
88	آ، میری جانِ انتظار	181
89	شاہِ نارووالہ، حافظ سلطان پوری کی قبر پر	183

صفحہ	عناوین	شمار
184	اہل اللہ حیات ابدی رکھتے ہیں	90
184	شیخ مرائی کی مکاریاں	91
186	بیعت وخلافت کے لیے شیخ کا زندہ ہونا ضروری ہے	92
187	اولیاءاللہ، غلاموں کے احوال کے محافظ ہیں	93
188	عشق ٹپکتا نظر آرہا ہے	94
188	مثنوی مولانا روم سے شغف	95
189	تین وصیتیں	96
190	مشغولی حق کا کیا کہنا۔	97

شرفِ انتساب

☆ بندہ احقر اپنی اس حقیر کاوش کو سرزمین مہرے والہ کے بے تاج بادشاہ،

آقائے نعمت، سید العرفاء، انیس الغرباء، دین من و ایمان من

حضرت سید مرید قلندر بخاری متوفی ۱۴۳۶ھ۔۲۰۱۵ء

☆ مربی جسم و روح استاد محترم غریب المدرسین حضرت علامہ

مولانا مفتی حافظ خادم حسین سعیدی علی پوری ثم شکار پوری

☆ قبلہ وکعبہ والد گرامی، حاجی الحرمین حضرت سیدنا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

کی بارگاہوں میں بصد عقیدت و نیاز پیش کرتا ہے۔

جن کی لیل ونہار کی پرخلوص دعائیں، محبّتیں، شفقتیں اور توجہات کاملہ

کی بدولت یہ عاجز، بے ہنر اس کار ہنر کے لائق ہوا۔

الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیرا ،

والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم بکرۃ و اصیلاً

غلام جیلانی چاچڑ، نقشبندی

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ

بمطابق 21-06-2016

ھدیہ سپاس

گلستان قبلۂ عالم کے گل زیبا

حضرت خواجہ میاں محمد اسلم مہاروی مدظلہ العالی

نے جس خلوص ومحبّت سے کتاب ہذا کی نشر واشاعت کے لیے
مالی واخلاقی تعاون فرما کر مرہون وممنون فرمایا۔

بندہ احقر دل وجان سے شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا گو ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

مقدمہ
از مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''خیرالاذکار فی مناقب الابرار'' کعبۂ عاشقاں، غیاث الاسلام والمسلمین حضرت سیدنا خواجہ نور محمد مہاروی، آپ کے پیرومرشد، قطب شریعت وطریقت، محبّ النبی محبوب رب العالمین، فخر الاسلام والمسلمین حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی اور شیخ المشائخ حضرت سیدنا خواجہ نور محمد نارووالہ اور مردِ میدانِ عشق حضرت حافظ محمد سلطان پوری رضی اللہ عنہم اجمعین، ان چار جلیل القدر ہستیوں کے احوال و آثار اور ملفوظات پہ مشتمل فارسی زبان میں شاندار اور حسین گلدستہ ہے۔ جسے بلبل ہزار داستان، مشہور فارسی شارح، مصنّف اور صوفی مولانا محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حقیقت رقم قلم سے اپنے بزرگوں کے حضور بطور ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

قسام ازل کی تقسیم پہ قربان جایئے، مبارک ومیمون، دل پذیر ودل کشا، علمی و روحانی احوال وافعال اور اعمال وافکار پر مشتمل یہ گرانقدر عرفانی مجموعہ چشت اہل بہشت کی قلمی کتبِ ملفوظات کے ڈھیر میں دب کر رہ گیا اور منصّۂ شہود پر نہ آسکا۔ چنانچہ اہل علم واہل محبّت نہ صرف کتاب ہذا کی معرفت اور استفادہ سے محروم رہے بلکہ مغالطے کا بھی شکار رہے۔ شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں۔

''پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے ذخیرۂ شیروانی میں ایک قلمی نسخہ خیر الاذکار کا ہے جو شعبان ۱۲۴۲ھ (مارچ ۱۸۲۷ء) میں کتابت ہوا ہے۔ (نمبر ۶۲۷۰/۲) سے اسے فہرست مخطوطات شیروانی (۲/۲۱۶) میں ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج

شکر بتایا گیا ہے۔ میں سر دست اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس عہد کی تالیف ہے۔فہرست میں اس کے مؤلف کا نام محمد بن غلام محمد لکھا ہے۔ میں نے اس کا حوالہ ابھی تک کہیں نہیں دیکھا۔" (1)

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے گلشن ابرار اور مخزن چشت کی تالیف کے دوران اس کتاب سے بھر پورا فائدہ اٹھایا اور جابجا اپنی کتاب کو خیر الاذکار کے حوالہ جات سے مزین کیا۔ اور اسی طرح صاحب مناقب المحبوبین نے بھی خیر الاذکار کے حوالہ جات پیش کیے۔ چنانچہ سرزمین پاکستان کے اہل علم حضرات کتاب ہذا اور اس کے جامع مولانا محمد گھلوی اور ان کی علمی خدمات کے خوب معترف ہیں۔ ہاں یہ الگ بات کہ خیر الاذکار کے فارسی متن کی درستگی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ منظر عام پر دیکھنے کے شدت سے منتظر رہے۔ارباب علم و دانش اور وابستگانِ چشت اہل بہشت کی یہی تشنگی محسوس کرتے ہوئے حضور قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کے باذوق علم دوست اور کتب شناس سجادہ نشین حضرت سیدنا خواجہ میاں نور جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی صاحب کو دو ملفوظات ترجمہ کے لیے دیئے۔ آگے خود پروفیسر موصوف کی زبانی سماعت فرمایئے،

"قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی درگاہ معلٰی کے آٹھویں سجادہ نشین حضرت میاں نور جہانیاں صاحب محمودی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے چند سال حضرت قبلہ عالم کے دو ملفوظات خاکسار کو ترجمہ کے لیے عطا فرمائے۔ایک خواجہ امام بخش مہاروی کی تصنیف "مخزن چشت" اور دوسرا مولوی محمد گھلوی کی تالیف "خیر الاذکار"، اول الذکر کا ترجمہ پہلے کرنے کی تاکید کی"۔(2)

مخزن چشت کا ترجمہ چھپ کر منظر عام پر آگیا مگر نیرنگیٔ قسمت دیکھئے کہ خیر الاذکار کا ترجمہ پھر بھی کسی وجہ سے رہ گیا۔

مولانا محمد بن غلام گھلوی رحمۃ اللہ علیہما علمی حلقوں میں خوب متعارف ہیں۔
راقم الحروف کو آپ کے نام نامی سے شناسائی اس وقت ہوئی جب حفظ قرآن کے بعد ۱۹۸۵ء میں حضرت علامہ مولانا حافظ خادم حسین سعیدی، شکارپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضری نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا محمد گھلوی کی علمی خدمات استاد محترم کی زبانی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہیں۔ سال اول شعبہ فارسی درسی کتب کی تعلیم کے دوران تحفہ نصائح کی بعض اردو شروح میں آپ کی عدیم المثال ''ضخیم اور مبسوط فارسی شرح، ھدیۃ الروائح فی حل تحفۃ النصائح'' کے حوالہ جات دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ نیز اُس وقت سننے میں یہ بھی آیا کہ شعبہ فارسی کی اکثر کتابوں پر آپ کی فاضلانہ شروح موجود ہیں۔ دورۂ حدیث شریف کے دوران ملتان شریف کے بعض کتب خانوں پر سکندر نامہ، خوشبوئے فرید اور آبروئے جتوئی حضرت مولانا نور احمد انور فریدی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید پیر عظمت اللہ شاہ صاحب (بستی مسو شاہ شہر سلطان) کے کتب خانوں میں بوستان سعدی، مولانا جامی کی تحفۃ الاحرار اور شرح یوسف زلیخا وغیرہ شروح دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

تذکرہ کی بعض کتابوں میں حضرت گھلوی صاحب کی ایک اور کتاب ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' کا نام نظر سے گزرا تو میری جستجو اور تلاش کا سلسلہ اور تیز ہو گیا۔ بعض مدارس اور خانقاہوں کے چکر لگائے مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ جو یندہ یابندہ کے مصداق مقدر نے یاوری فرمائی۔ ایک دن ایک علم پرور دوست تجمل حسین شاہ قریشی ہاشمی اسدی (انسپکٹر سپیشل برانچ) نے یہ خوشخبری سنائی کہ ''خیر الاذکار'' کا ایک قلمی نسخہ سرزمین تونسہ کے باشندہ ہمہ تن سراپا خلوص شخصیت مولانا محمد رمضان معینی کے پاس موجود ہے۔ یہ خبر میرے لیے نوید سحر سے کم نہ تھی، میں فرط خوشی سے اچھل پڑا۔
عرض گزار ہوا: ''کہ جس قدر بھی ہوسکے جلد ہی یہ نسخۂ کیمیا، نظر نواز ہو۔ تاکہ

بے قرار دل کے لیے قرار و سکون کا سامان فراہم ہو سکے۔''

چند ہی دنوں بعد شاہ صاحب کی جانب سے روح پرور پیام موصول ہوا کہ ہم نے آپ کی مطلوبہ کتاب ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' کی فوٹو کاپی منگوالی ہے۔ حضرت سیدنا بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے اس باذوق اور علم دوست فرزند ارجمند کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قلمی نسخہ کی زیارت سے شاد کام ہوا۔ مولانا محمد رمضان تونسوی صاحب نے نسخہ ہذا کے ترجمہ کی طرف توجہ مبذول کرائی۔

کچھ عرصہ بعد ہی سلسلہ عالیہ چشتیہ کے روحِ رواں، امام الاولیاء، شیخ المشائخ حضرت سیدنا قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ العزیز کی اولاد پاک کی رشکِ بہار علمی و روحانی شخصیت حضرت سیدنا خواجہ کریم بخش مہاروی کے لختِ جگر، نورِ نظر حضرت خواجہ میاں محمد اجمل مہاروی اپنے طریقۂ اسلاف کی پیروی میں سالانہ معمول کے مطابق مریدین و معتقدین کے ہاں ہمارے علاقہ میں تشریف فرما ہوئے۔ حسبِ معمول اس نیازمند کو بھی کچھ وقت بخشا۔ بندہ حقیر نے حضور قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کے حالات طیبات پر مشتمل قدیم ماخذ ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' کا فارسی قلمی نسخہ جونہی پیش کیا، دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے۔ زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ صادر ہوئے :

''بس اب تم خود ہی اس کا اردو ترجمہ شروع کر دو''

قبولیت کا وقت تھا۔ دل میں ٹھان لی کہ یہ کام مجھے کرنا ہے۔ بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ضرور اثر رکھتے ہیں۔ مگر میرے لیے صرف ایک قلمی نسخہ اور وہ بھی مدہم فوٹو کاپی اور پرانے رسم الخط میں استفادہ کچھ آسان نہ تھا۔

اور ویسے بھی ترجمہ نگاری یعنی کسی مصنّف کی مراد و مقصد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بطریق اتم منتقل کرنا کس قدر جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کا صحیح اندازہ وہ لوگ ہی کر سکتے ہیں جو اس میدان میں راہ رو ہیں۔ بقول سیف الدین سیف:

لکھنے والے ہی جان سکتے ہیں

لفظ لفظ میں کیا قیامت ہے

ترجمہ کی نیت سے فوٹو کاپی کو ایک نظر دیکھنا شروع کیا۔ قدم قدم پر مشکلات کا سامنا تھا۔ شاعر اسلام حفیظ جالندھری یاد آگئے،

ارادے باندھتا ہوں توڑ دیتا ہوں

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

کچھ مدت بعد غزالی زماں، امام اہل سنت علامہ سید امام احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک کی تقریب میں شرکت کی توفیق ارزانی ہوئی۔ وہاں مختلف کتب خانوں پر کتابیں دیکھ رہا تھا، کہ اچانک ''خیر الاذکار'' کا مطبوعہ نسخہ نظر نواز ہوا۔ راقم جھپٹا اور اسے اٹھالیا، اس وقت فوراً یہ سمجھا کہ شاید اردو ترجمہ ہے۔ مگر ورق گردانی کے بعد معلوم ہوا کہ ماشاءاللہ یہ تو اصل فارسی متن کے ساتھ چھپا ہوا، نایاب اور خوب صورت تحفہ ہے۔ اس کتاب پر کام کرنے کی سعادت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اردو کے صدر، محترم پروفیسر عبدالعزیز ساحر کے حصہ میں آئی۔

یہ موصوف کی لیل ونہار کی جگر سوزی، عرق ریزی اور انتھک کاوشوں کا ثمر ہے کہ انہوں نے اس نایاب تحفہ کے حصول کے لیے بڑی تگ و دو کے بعد مختلف چار قلمی نسخے حاصل کیے۔ پھر تقابلی جائزہ لیتے ہوئے بڑی جانفشانی سے فارسی متن کی تحقیق کی، شاندار حواشی قائم کیے، اہل علم کے ذوق اور سہولت کے پیش نظر اشاریہ کا اہتمام کیا، پھر جاندار اور پر مغز مقدمہ قلمبند فرمایا۔ یقیناً اہل علم اور ارباب علم و دانش کے لیے قابل قدر سوغات ہے۔

میں اپنے دوست ساحر صاحب کی اس علمی اور پر خلوص کاوش کو نہ صرف سراہتا ہوں بلکہ انہیں ہدیۂ تبریک بھی پیش کرتا ہوں۔

راقم الحروف نے اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے فضل وکرم اور سرزمین مہرے والہ (ضلع راجن پور، فاضل پور) کے بے تاج بادشاہ شیخ طریقت ماہتاب ولایت، باغ زہراء کے گل چیدہ حضرت سیدنا ومولانا مرید قلندر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت وعطا اور فیضان نظر سے ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۰۱۴ء صاحب قلم، صوفی منش بزرگ حضرت مولانا محمد گھلوی اور آپ کے پیر ومرشد حضرت شاہ ناروواله اور سلسلہ عالیہ چشت اہل بہشت کے بزرگان دین کی ارواح مقدسہ کو ایصال ثواب کیا اور بوقت ظہر خیرالاذکار فارسی کو اردو قالب میں ڈھالنے کا آغاز کردیا۔ شہر رمضان کی پرنور سہانی گھڑیوں میں ایک ہفتہ تسلسل کے ساتھ ترجمہ نگاری کا کام ہوتا رہا۔ پھر کم وبیش دو ماہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر کام تعطل کا شکار رہا۔

اس قادر وقیوم کی قدرت وکرم کا تماشا تو دیکھئے! ماحولِ حیات ناخوشگوار، خلوت کی گھڑیاں ناپید جبکہ اس کام کے لیے گوشہ تنہائی کی پرسکون گھڑیاں کس قدر ضروری ہیں، ارباب علم ودانش سے مخفی نہیں۔۔۔۔

رزق حلال کی تگ ودو، تعلیم وتربیت کے لیے بچوں کے شوروغل میں بیٹھ کر ترجمہ نگاری کا سا مشکل کام، اس دوران والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ساڑھے تین ماہ علیل رہے اور آخری ماہ کے چھبیس دن پرائیویٹ ہسپتال بہاول پور میں داخل بھی رہے۔ ایسے ناموافق وناسازگار اور تشویش ناک ماحول میں اس کریم ذات نے محض اپنے فضل وکرم سے سکون قلب کی دولت سے نوازا۔ وقتاً فوقتاً جب بھی کچھ فرصت کی گھڑیاں میسر آتی رہیں، حسب فرصت لکھتا رہا۔ قادر وقیوم رب کی کرم گستری پہ قربان جائیے جب وہ کسی بندے سے کام لینا چاہتا ہے تو محض اپنے فضل وکرم اور عنایت وعطا سے لے ہی لیتا ہے، ہرچند کہ وہ بندہ کتنا ہی روسیاہ اور گنہگار ہو۔ کتاب ہذا کے آخری حصے کا اکثر ترجمہ وہیں ہسپتال میں ہی انجام پذیر ہوا۔ بزرگوں کے روحانی تصرف اور

اس کریم ذات کی بندہ پروری اور ذرہ نوازی پر اس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں۔
ترجمہ کے دوران حسب ذیل امور ملحوظ رہے۔
(۱) نیاز مند نے حتی المقدور کوشش کی کہ ترجمہ کی زبان عام فہم، سلیس اور انداز تحریر شگفتہ وسادہ ہو۔
(۲) لفاظی اور اردو ادب کے ایسے اسلوب سے پرہیز کیا کہ شوکت الفاظ سے ترجمہ میں دلکشی اور رنگینی تو پیدا ہو لیکن مصنّف رحمۃ اللہ علیہ کے مقاصد مبہم اور مجروح ہو کے رہ جائیں
(۳) جہاں کہیں وضاحت کی ضرورت پڑی بریکٹ کا التزام اس انداز میں کیا کہ بریکٹ اور بریکٹ کے بغیر دونوں حالتوں میں پڑھتے ہوئے ترجمہ کی روانی میں فرق نہ آئے۔
(۴) قارئین کی دلچسپی اور سہولت کے لیے سرخیاں قائم کیں۔
(۵) بعض مقامات پر حواشی قائم کیے، موقع کی مناسبت کے پیش نظر اردو، فارسی اور سرائیکی کے اشعار لکھ کر بھی اہل ذوق کے لیے مسرت وشادمانی کا سامان فراہم کیا۔ راقم اس میں کس حد تک کامیاب وکامران رہا، یہ فیصلہ قارئین کے ذوق وشوق اور علمی فہم پر چھوڑتا ہوں۔ البتہ اہل سنت وجماعت کے بعض سلطانِ قلم علماء کی تصدیقات وتاثرات میری کوشش پر شاہدِ عادل ہیں۔

میری زندگی کا عہدِ شباب دیہات کے گھپ اندھیروں میں گزر گیا اور اب بھی ضلع مظفرگڑھ کے پسماندہ علاقہ تحصیل جتوئی کے ایک گوشہ میں زندگی کے شب و روز بیت رہے ہیں۔ جہاں پر مسائل ہی مسائل ہیں، عرصہ دراز سے یہ آرزو دل میں مچل رہی ہے کہ کوئی اسلامی ذہن کمپوزر ملے جسے عربی، فارسی سے دلچسپی اور سوجھ بوجھ بھی ہو۔ مگر وائے ناکامی، شہر کی ہریالیاں اور شادابیاں چھوڑ کر دیہات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں کون ہماری دلداری وغمخواری کرے۔

قادر وقیوم ذات میرے عزیز، لائق وفائق روحانی بیٹے محمد مجاہد اطال اللہ عمرہ کو جزائے خیر دے۔ جس نے میری اس سندر خواہش کا احترام کرتے ہوئے بے لوث ہو کر وقت نکالا، پوری محبت وخلوص سے میرا ہاتھ بٹایا۔ بھرپور محنت ومشقت

اٹھائی، شب وروز فرصت کی گھڑیوں میں کمپوزنگ کی خدمات سرانجام دیں۔ خدائے لم یزل اسے دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور قرب رسول عربی ﷺ کی نعمت غیر مترقبہ سے حظ وافر نصیب فرمائے۔ آمین

راقم نے اصل فارسی متن سامنے رکھ کر اردو ترجمہ کی پروف ریڈنگ کی۔ حتی المقدور کوشش کی کہ ترجمہ اور پروف میں غلطیاں کم سے کم ہوں، مگر ایک خاک کی چٹکی سے خطا سرزد نہ ہو، ایسا نہیں ہوسکتا؟

میں ہوں تحسین انسان اک خطا کا پتلا
یہ ناممکن ہے جو کبھی مجھ سے خطا ہو نہ سکے

میں نے اپنے اسلاف کے اس فارسی قیمتی سرمایہ کو مروجہ اردو زبان میں منتقل کر کے نسل نو تک پہنچایا۔ تاکہ اقبال کے شاہینوں کے عقائد و نظریات میں پختگی پیدا ہو اور ان کے سرمایہ ایمان وایقان کو تقویت اور روح کو بالیدگی ملے۔

مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف ہے۔ میری عروس فکر اپنی بے جمالی کے باعث سرافگندہ ہے۔ ترجمہ نگاری ایک مشکل کام ہے، میری نوک قلم میں وہ جولانی اور ہنرمندی نہیں۔ میں اس میدان میں اترنے کے قطعاً قابل نہیں۔ مگر بے کار بیٹھنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا، اچھا ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ''من صنف قد استهدف'' میرے سامنے ہے اس لیے

من بعجز وقصور معترفم ـــ نے چوں ناداں واحمق وخرفم
اسپ تازی اگرچہ بہ تازد ـــ لاشہ خر خویشتن نیندازد

اہل قلم ارباب محبت کی ''تنقید برائے تعمیر'' شکریہ کے ساتھ دل وجان سے نہ صرف قبول کروں گا بلکہ کتاب ہذا کے دوسرے ایڈیشن میں اسے جگہ بھی دوں گا۔ ان شاء اللہ جبکہ ارباب نفوس، ہٹ دھرم اور نفس کے پجاریوں کی ''تنقید برائے تنقید''

سے ایڈوانس دست بستہ معافی کا طلبگار ہوں۔

میں نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی نجات اخروی کے لیے بے لوث یہ حقیر سا کام انجام دیا ہے۔ بالفاظ دیگر تحدیث نعمت کے طور پر بے کار ہو کر کار ہنر کیا ہے۔ رب محمد، محبوب حجازی ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمالے اور وہ ذات اقدس اپنی خوشنودی کی سند سے نواز دے۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا، تم پہ کروڑوں درود

چمنستان امام احمد رضا کی سدا بہار خوشبو، اہل سنت و جماعت کے مایۂ ناز عالم دین محسن اہل سنت، شرف ملت حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں کچھ عرصہ دعائیں سمیٹنے کا موقع نصیب ہوتا رہا۔

اب بھی حضرت کے چہرۂ زیبا کا عکس جمیل میرے دل میں جاگزیں ہے، گویا وہ میری نظر کے سامنے ہیں۔ آج اگر حضور شرف ملت اس خاکدان گیتی میں جلوہ آراء ہوتے تو یقیناً راقم کو نہ صرف تھپکی دیتے، ڈھارس بندھواتے، داد دیتے بلکہ خوش ہوتے اور گل ریز تبسّم سے موتی لٹاتے ہوئے پر خلوص دعاؤں سے نوازتے۔ کیونکہ آپ مجھ سے فرمایا کرتے تھے: ''تم جہاں کہیں بھی رہو بس ایک ہنگامہ برپا کردو، جب بھی میرے پاس آیا کرو تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی نہ کوئی رسالہ ضرور دیکھوں۔''

اٹھتے جاتے ہیں میری بزم سے سب اہل نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی علمی دنیا میں ایک مشہور نام ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق مدرس اور عدیم المثال ترجمہ نگار ہیں۔

علامہ غوثوی سے اس نیاز مند کو شرف تلمذ بھی حاصل ہے، ویسے آپ میرے

دادا استاد ہیں۔ اس نیاز مند کو نعم الوجیز اور شرح نخبۃ الفکر اور تفسیر بیضاوی کے چند اسباق آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔

آپ نے از راہ شفقت اصل فارسی متن "خیرالاذکار فی مناقب الابرار" سامنے رکھ کر راقم کے اردو ترجمہ شدہ مسودہ کو توجہ کامل سے پڑھا، جہاں کہیں ضرورت محسوس کی درستی بھی فرمائی۔ پھر اپنے مشکبار قلم سے تاثرات بھی قلمبند کیے۔ فجزاہم اللہ خیراً۔

انتہائی کرم فرما ایک دیرینہ دوست قاری زاہد حسین اویسی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ آپ نے مکمل ترجمہ کو حرف بحرف پڑھا۔ حسن صوری میں اضافہ کے لیے بعض مقامات پر جس انداز میں رہنمائی فرمائی وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

عبدالعزیز ساحر صاحب، صدر شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کو بھلا دینا، سراسر ناانصافی ہوگی۔ ساحر صاحب نے جس محبّت وخلوص اور دیدہ ریزی سے کتاب کا مطالعہ کیا اور رموز اوقاف کی طرف رہنمائی فرمائی۔ راقم تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہے۔

یہ بندہ پر خطا، استاذ العلماء علامہ غوثوی صاحب، محترم دوست قاری صاحب، ساحر صاحب اور تصدیقات وتاثرات عطا فرمانے والے اہل سنت کے جید علماء کرام کا شکر گزار ہے۔ خداوند تعال ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان نیک نفوس کے صدقے اس عاجز وناتواں انسان کو دین متین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اسے اپنے نبی الحرمین ﷺ کے صدقے شرف قبولیت بخشے۔

آمین ثم آمین، والحمد للہ رب العالمین

نیاز مند

غلام جیلانی چاچڑ نقشبندی

۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

بمطابق ۲۶ اپریل ۲۰۱۶ء

حالات مصنف از مترجم

فارسی شارح، مصنف اور صوفی مؤلف "خیر الاذکار" محمد گھلوی کی روشن حیات کے چند ایک گوشے

پنجند کے شمالی پہلو میں واقع علی پور (ضلع مظفر گڑھ) اگرچہ اب تک پسماندہ ہے مگر اس کی مٹی رواں، جواں اور زرخیز ہے۔ اس خطۂ ارضی نے قد آور شخصیات اور بلند پایہ انسان جنم دیئے۔ اس مقدس دھرتی کے گردونواح میں پل کر جوان ہونے والے پرگو شاعر تحسین سبائے والوی متوفی ۱۹۹۰ء نے اسے بطور تعارف یوں خراج تحسین پیش کیا ۔ چند ایک اشعار ملاحظہ فرمائیں،

علی پور پانچ دریاؤں کی وادی   علی کے نام لیواؤں کی وادی
علی خاں لودھی نے اس کو بسایا   پھر کئی قوموں نے آ ڈیرہ جمایا
نہیں ہے نام لیکن نامور ہے   علی پور میری آشاؤں کا گھر ہے
ہمیں تحسین ہردم شاد رکھے   علی پور کو خدا آباد رکھے

علی پور اور اس کے گردونواح کے اہل فکر ونظر اور ارباب علم ودانش، علوم وفنون میں مسلم الثبوت امام ہونے کے باوجود بے نام ونشان زندگی گزار کر تہہ مزار چلے گئے۔ ان کی

علمی ودینی خدمات اجاگر نہ ہوسکیں اوران کے احوال وآثار گوشۂ گمنامی کی نذر ہو گئے۔

زندہ در گور ہوئے اہل نظر　　کس قدر مردہ پرستی ہے یہاں

سرائیکی اوراردو کے مایۂ ناز شاعر تحسین سبائے والوی اپنے ایک مضمون میں اس درد و کرب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''یہاں نہ جانے کتنے ایسے فنکار ہوں گے جو سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے گمنامی کی موت مر گئے اوران کا علمی وادبی سرمایہ بے درد لوگوں کے ہاتھوں پرزے پرزے ہو کر انگیٹھیوں کی نذر ہو گیا۔اوریوں دنیائے علم وادب کی نامور ہستیاں مرنے کے بعد بے نام ہو کر رہ گئیں۔''(3)

جائے سکونت:

خیرالاذکار فی مناقب الابرار کے جامع ، مدارس عربیہ شعبہ فارسی کی منظوم ومنثور درسی کتب کے مشہور شارح حضرت علامہ مولانا محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھی اس مردم خیز سرزمین سے ہے۔علی پور گھلواں کے بعض بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کے آباء اجداد ہندوستان سے نقل مکانی کرتے ہوئے علی پور گھلواں میں آبسے۔آپ کے والد گرامی ''غلام محمد'' ایک متقی و پارسا انسان تھے۔ یہاں مستقلاً سکونت پذیر رہے۔ چنانچہ اسی وجہ اورنسبت سے آپ ''گھلوی'' مشہور ہوئے ہیں۔

اگرچہ زندگی کا بیشتر حصہ مختلف مقامات پر دینی خدمات میں گزرا، مگر آخری آیام پھر گھلواں میں گزارے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو''ٹھٹھہ گھلواں''تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کا باشندہ لکھا۔(4)

راجہ نور محمد نظامی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا،

''کہ آپ شہر گڑھی علاقہ کچی نزد کالا باغ ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔''(5)

یہ دونوں حوالے درست نہیں ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ علی پور گھلواں ہی کے رہنے والے تھے۔ثبوت کے لیے خیرالاذکار کا ایک طویل اقتباس پیش خدمت ہے۔

مؤلف خیرالاذکار اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ نور محمد ثانی اور حضرت حافظ محمد سلطان پوری کی رفاقت میں پہلی مرتبہ جب سرزمین مہار شریف حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،وہاں پر مولانا گھلوی کو،الٹی اور بخار کا مرض لاحق ہو گیا۔ چند دنوں بعد مولانا مرحوم نے حضرت حافظ محمد سلطان پوری سے مشاورت کے بعد حضور قبلۂ عالم اور اپنے مرشد کریم کی اجازت سے وطن واپسی کا پروگرام بنایا۔حضرت حافظ محمد سلطان پوری کے کم سن فرزند ارجمند ''میاں محمد مسعود'' جو اس وقت اپنے والد کے ہمراہ مہار شریف میں مقیم تھے،انہیں واپس گھر سلطان پور تک لے آئے۔آگے مؤلف مرحوم کی خود زبانی سنیے،

پھر (حضور قبلہ عالم) بطور خوش طبعی فرمانے لگے۔

'' جاؤ جاؤ ، جب تمہیں اپنے وطن کی ہوا پہنچے گی بخار خود بخود اتر جائے گا''

چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں،

''بندہ اور محمد مسعود،ان تینوں خداوندانِ نعمت سے (حضور قبلۂ عالم،خواجہ نور محمد ثانی اور حافظ صاحب) سے رخصت لیتے ہوئے واپس وطن لوٹے ۔راستے میں جہاں کہیں بھی رات گزارنے کا اتفاق ہوا، ہر حوالے سے خوش حال رہے۔پورے سفر میں ان بزرگوں کی روحانی توجہ اور کرم شاملِ حال رہا۔اگر اسے میں قلمبند کروں تو بات لمبی

ہو جائے گی۔ ''العاقل تکفیہ الاشارۃ'' سمجھدار آدمی اشاروں ہی میں بات سمجھ لیتا ہے۔

جب اوچ شریف سے دریائے چناب کو عبور کیا۔ عارضۂ تپ، جو کہ دوران سفر بھی باقی رہا، حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے فرمانِ عالیشان کی برکت سے محض عبور کرتے ہی کچھ اس طرح رفع دفع ہو گیا کہ گویا یہ مرض لاحق ہوا ہی نہیں تھا۔ کم وبیش ایک مہینے کے بعد حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی یہاں پر تشریف آوری ہوئی اور ایک جہاں آپ کی برکات سے فیض یاب ہوا۔ یہ بندہ اوچ شریف کی راہ پر حضور قبلۂ عالم (دادا پیر) اور اپنے پیرو مرشد کے انوار سے مستفیض اور دیدار سے فیض یاب ہوا۔ جس وقت بندہ حضرت قبلۂ عالمؒ کی قدم بوسی سے مُشرف ہوا، آپ استنجا کرنے کی غرض سے لوگوں سے دور گئے ہوئے تھے۔ از راہِ خوش طبعی فرمانے لگے: ''اُس عارضہ (بخار) سے اب نجات مل گئی؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں حضور! آپ کے حسبِ فرمان جونہی بندے کو ہوائے وطن پہنچی، خیر و عافیت مل گئی۔ (یہ سنتے ہی) بندے سے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ حضورِ عالی کو یہ بات شاید اس لیے ناپسند آئی کہ میں نے آپ کی کرامت اور خرقِ عادت بات (راز) کو فاش کر دیا۔

میرے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) قدس سرہ، دریا عبور کرنے کے بعد کسی وجہ سے راستے میں ٹھہرے اور حضور قبلۂ عالم سے پیچھے رہ گئے۔ حالانکہ دریا عبور کرنے میں سبقت لیے ہوئے تھے۔ آپ جس وقت حضرت قبلۂ عالم کی بارگاہ میں پہنچے، حضور نے ضیافتِ طبع کے طور پر فرمایا: ''میاں صاحب! خود آگے چلے جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ یوں مشغول ہو جاتے ہیں۔

کم وبیش ایک مہینے کے بعد حضور قبلہ عالم کی یہاں تشریف آوری ہوئی اور ایک جہان آپ کے

برکات سے فیض یاب ہوا۔ یہ بندہ اوچ شریف کی راہ پر حضور قبلہ عالم (دادا پیر) اور اپنے پیرو مرشد کے انوار سے مستفیض اور دیدار سے فیض یاب ہوا۔"

☆ اقتباس ہذا سے اس نتیجہ پر پہنچنا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ آپ علی پور گھلواں ہی کے رہنے والے تھے۔ مہار شریف سے واپسی کے لیے دریائے چناب کو عبور کرنے کے لیے اوچ شریف جانا۔

☆ پھر ایک ماہ بعد اپنے دادا پیر اور مرشد گرامی کے استقبال کے لیے اوچ شریف کی راہ پر دیدہ دل فرش راہ کیے محو انتظار رہنا۔

☆ اور حافظ صاحب کے کم سن فرزند میاں مسعود کو گھر تک لے جانے کے لیے علی پور، سلطان پور کا سفر کرنا۔

اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ مولانا گھلوی کا اصلی وطن علی پور (گھلواں) ہی تھا۔

☆ اگر ٹھٹھہ گھلواں، ضلع ملتان یا ضلع میانوالی کے علاقے کے رہنے والے ہوتے تو، حضرت حافظ محمد سلطان پوری کے بیٹے کو گھر تک پہنچانے کے لیے علی پور سفر کی کیا ضرورت تھی۔

☆ یا حضرت گھلوی صاحب کا اپنے بزرگوں کے استقبال کے لیے اوچ شریف کی راہ تکنا کیا معنی رکھتا ہے۔

☆ خیرالاذکار کے مطابق گھلوی صاحب تین سال سلطان پور کے قریب یارے والی میں مدرس کے طور پر مقیم رہے۔

☆ حضرت سیدنا شاہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینۃ الاولیاء اوچ شریف اور کوٹ مٹھن شریف کی طرف سفر اختیار فرماتے تو ایک دو راتیں گھلواں میں بھی قیام فرماتے۔ مولانا اپنے دادا پیر کی خدمت عالیہ میں حاضر باش رہتے اور گرمیوں کے موسم میں پنکھا جھلا کرتے۔

حاجی نجم الدین سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں،

""نقل است میاں نور حسین صاحب می فرمودند، وقتیکہ قبلہ عالم سمت اچہ وکوٹ مٹھن مے رفتند اکثر اتفاق در قریہ گھلواں می افتاد، یک دو شب دراں قریہ می ماندند مولوی محمد گھلو، کہ از مریدان حضرت مولانا نور محمد نارووالہ بود، چنانچہ از یک ملفوظ خیرالاذکار نام در ذکر قبلہ عالم و پیر خود ہم جمع کردہ دراں قریہ می ماند و اکثر بخدمت قبلہ عالم حاضر می بود و باد کش براں حضرت می کشید'' (6)

اس اقتباس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ ''گھلواں'' سے مراد علی پور گھلواں ہی ہے۔

ازدواجی زندگی اور اولاد امجاد:

ازدواجی زندگی اور اولاد امجاد کے متعلق تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ نور محمد نظامی نے اپنے ایک مضمون میں شرح یوسف وزلیخا کے حوالے سے ایک فرزند ارجمند عبدالجلیل کا نام ذکر کیا ہے جبکہ گھلواں کے بعض بزرگوں کی زبانی چھ بیٹے بتائے گئے ہیں، جو کہ یہاں سے نقل مکانی کرتے ہوئے سیالکوٹ اور ضلع میانوالی کے علاقوں میں اقامت گزیں ہو گئے۔

تعلیم وتربیت اور بیعت:

ارحم الراحمین ذات الٰہی جب کسی بندے کو نعمت ظاہری وباطنی سے نوازنا چاہتی ہے، تو اسے محبوبانِ خدا کے دروازے تک پہنچنے کی توفیق عطا فرما دیتی ہے۔ علی پور گھلواں کے پسماندہ علاقہ کے باسی علامہ گھلوی کی قسمت پہ رشک آتا ہے۔ مقدر نے اسے دریائے سندھ سے پار کعبۂ عاشقاں، غیاث الاسلام والمسلمین حضرت قبلہ عالم خواجہ

نور محمد مہاروی کے خلیفۂ اجل شہباز طریقت و مہتاب شریعت، آفتاب ولایت حضرت خواجہ نور محمد ثانیؒ نارووالہ کے حضور رسائی کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

آپ نے ظاہری و باطنی تعلیم اور فیوض و برکات کے حصول کے لیے شاہ نارووالہ کریم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور آستانِ عرش ناز پر جبین نیاز جھکا دی۔

مولانا محمد گھلوی کے احوال و آثار کا سب سے بڑا ماخذ یہی کتاب خیرالاذکار ہی ہے۔ جس میں آپ کی قابل رشک زندگی کے حسین گوشوں کا ذکر کہیں کنایۃً اور کہیں صراحتاً ملتا ہے۔

مولانا گھلوی نے اسی کتاب میں تحصیل علوم سے متعلق خود ہی واشگاف الفاظ میں اظہار فرمایا۔ چنانچہ اپنے ایک بے تکلف دینی دوست محمد یار، مہار جسے مولانا موصوف نے خیرالاذکار میں یار غار اور دوست غمگسار کے دل نواز نام سے یاد کیا ہے۔ دونوں دوست حضرت شاہ نارووالہ کریم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عرش ناز میں ہم درس رہے۔

مولانا نے علوم ظاہری کے حصول کے بعد حضرت خواجہ کی بارگاہ میں بیعت کی استدعا کی، جسے حضرت خلیفہ صاحب نے قبول فرما کر شرف بیعت سے نوازا۔

شاہ نور محمد ثانی علم کے بحر ذخار:

حضرت شاہ نارووالہ ظاہری و باطنی علوم میں ید طولی رکھتے تھے۔ خیرالاذکار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی فقہی مسئلہ کی توجیح و ترجیح اور توضیح میں ہم صحبت جید علماء باہمی گفتگو کے بعد کسی نتیجہ پر نہ پہنچ پاتے، تو آخر میں حضرت شاہ نارووالہ کریم سب کی علمی و فقہی پیاس بجھا دیتے۔

حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کی معیت میں موجود علماء کرام جب کسی مسئلہ پر تحقیق و

تدقیق کے منفرد پھول کھلاتے اور کچھ گوشے پھر بھی تشنۂ تحقیق رہ جاتے، تو حضرت شاہ ناروواله کریم تحقیق وتدقیق کے دریا بہادیتے اور سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ۔مولانا گھلوی نے خیر الاذکار میں اپنے شیخ کی جلالت علمی کا ذکر بڑے حسین انداز میں فرمایا ہے۔لکھتے ہیں،

''میاں محمد بری مرحوم، میرے حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے خادموں اور حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں سے تھے۔

مرحوم موصوف سے منقول ہے کہ ایک بار شاہِ نارو والہ رضی اللہ عنہ بہت سے بزرگان اور علماء کی ہمراہی میں حضرت غیاث العاشقین ،سند الواصلین، فرد الطریقت ،قطب الحقیقت حضرت خواجہ قبلہ عالم قدس سرہ (سراپا رشک بہار شخصیت) کی زیارت کی نیت سے مہار شریف کی طرف راہی ہوئے۔شیخ واہن کے باسی نیکوکارہ حافظ یحییٰ نابینا کی مسجد میں رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔حضرت حافظ صاحب موصوف ایک عالم فاضل مرد اور علمِ حدیث میں اچھی مہارت کے حامل تھے۔حضراتِ بزرگانِ دین قدس سرہم کے تشریف لاتے ہی (حافظ موصوف) نے ایک بحث چھیڑ دی اور ایک حدیث شریف کا معنی و مفہوم پوچھنے لگے اور مشکل سوال کر ڈالا۔جملہ بزرگان اسے جواب دینے سے خاموش رہے

والا مناقب (فاضلِ علومِ درسیہ) مولانا مولوی محمد اکرم راجن پوری ، ذوالمجد والمواہب حضرت قاضی محمد عاقل صاحب قدس سرہ، قاضی درویش صاحب اور دیگر علمائے کرام میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔

(ایسے علمی ماحول میں حضراتِ صوفیہ کا علم جانچنے ، پرکھنے اور تولنے والے کو مسکت اور

دندان شکن جواب دینا بہر صورت ضروری تھا، اس لیے آسمانِ علم وفضل کے نیر تاباں، آفتابِ شریعت اور ماہتابِ طریقت) میرے قبلہ رضی اللہ عنہ نے میاں محمد بری کو (بلاکر) فرمایا:

(تاج الشریعہ محمد بن احمد بن عبید اللہ کی تصنیفِ لطیف) وقایہ کے متفرق اجزا، جسے آپ سفر وحضر میں ساتھ رکھتے تھے، اٹھا لائیے۔ میاں محمد بری کہتے تھے کہ میں وہ متفرق اجزا اٹھا لایا۔ آپ نے اس سے ایک لکھا ہوا کاغذ باہر نکالا اور مجھے عطا فرمایا کہ حضرات بزرگان میں سے کسی کو دے دیجیے، تاکہ وہ حافظ موصوف کو اس کے خدشے کے جواب میں سمجھا سکیں۔ میں نے کاغذ پیش کیا۔

حضرت حافظ جی جواب سنتے ہی دم بخود ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے فرزندِ ارجمند میاں عبدالغفور کو آواز دی کہ علماء کی اس مقتدر جماعت کو دعوت دینا ہمارے لیے ضروری ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ حضرات علمی قوت اور طاقت میں ہم سے بازی لے گئے ہیں۔

[ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد   (شیخ سعدیؒ)

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد]

حضراتِ صوفیہ کی اس جماعت نے حافظ جی کی دعوت طعام تناول فرمائی، مگر میرے قبلہ قدس سرہ نے اپنی دال روٹی تناول فرمائی۔ چونکہ اس کی دعوت (جوہرِ صدق وصفا اور) دلی رغبت وشوق سے عاری تھی۔ غرضیکہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کو مکمّل علمِ لدنی (بفضلِ ربانی وہبی اور عطا شدہ علم) حاصل تھا۔

حالانکہ علمِ ظاہری (کتابی علم) کو ایک عرصہ سے ترک کیا ہوا تھا اور مشغول بحق رہتے تھے۔ اکثر دینی مسائل اور علمِ ظاہری کے مباحث انھیں اچھی طرح یاد تھے۔ جیسا کہ اس بندے نے

بعض مسائل کے متعلق خدمتِ اقدس میں سوال کر کے اس حقیقت کو بخوبی جان لیا تھا۔
اس جیسی ایک اور روایت بھی مشہور و معروف ہے۔ جب میرے قبلہ رضی اللہ عنہ، حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی رفاقت و معیت میں ایک بار سیت پور جلوہ افروز ہوئے، مولوی علی محمد جیو (مرحوم) نے فقہ کی کتاب سے ایک عبارت حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی رفاقت میں جلوہ فرما حضراتِ علماء کی خدمت میں پیش کی۔ اس عبارت کا معنی و مفہوم بظاہر درست نہ لگ رہا تھا۔ اس (قابلِ رشک) بابرکت صحبت میں شریک مولانا مولوی محمد اکرم (ڈیروی یا راجن پوری) مفہوم عبارت کو نہ سمجھ سکے، اس لیے جواب دینے سے قاصر رہے۔ آخر وہ عبارت میرے قبلہ حضور کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ حضور والا نے اس (دقیق) عبارت کو کچھ ایسے ربط و ضبط اور سلیقہ و طریقہ سے پڑھ لیا کہ محض پڑھتے ہی وہ پیچیدہ اور مشکل مقام خود بخود حل ہو گیا۔''

اقلیم تدریس کے شہریار:

شیخ وقت شاہ نارووالہ کریم کو اپنے اس مرید اور شاگرد کی علمی و روحانی صلاحیت و استعداد پر مکمّل اعتماد اور کامل یقین تھا۔ اس لیے شعبۂ تدریس کو مزید فروغ دینے اور خوشبوئے علم کو ہر سو پھیلانے کے لیے حکم دیا، کہ جاؤ اور بہار علم کو عام کرو اور ایک مفتی کی حیثیت سے آنے والے حاجت مند کی علمی پیاس بجھاؤ، اور نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی ضرورت مند تجھ سے شرعی مسئلہ پوچھنے آئے تو کتاب دیکھ کر بتادیا کرو۔
مولانا گھلوی اپنے پیر و مرشد کے حکم سے شعبہ تدریس سے منسلک رہے اور متعدد مقامات پر تدریس و تحریر اور تصنیف و تالیف کے موتی لٹاتے رہے، جہاں کہیں بھی

رہے تشنگانِ علم ومعرفت آپ سے مستفیض ہوتے رہے۔لوگ شرعی مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہو جاتے، تو آپ بھی فرمانِ شیخ کی برکت سے نہایت مطمئن انداز سے جواب عطا فرمادیا کرتے۔آگے مولانا کی زبانی سنیے،

''اس (غنچہ دہن محبوب) کی زبان سے نکلے ہوئے مبارک الفاظ کی ذرا تاثیر تو دیکھئے کہ سفر ہو یا حضر میں جہاں کہیں بھی ہوتا ہوں لوگ مجھ سے شرعی مسائل پوچھنے کے لیے آتے ہیں اور میں بھی بالکل درست اور تسلی بخش جواب دے دیا کرتا ہوں۔''

شرح نگاری:

آپ شریعت کے باعمل عالم دین، روشن ضمیر، صوفی اور بیدار مغز مرد مومن تھے۔طبقۂ صوفیہ اور علماء کے ہاں آپ کی قدر ومنزلت اور علمی جلالت مسلم ہے۔مدارس عربیہ کا فارسی نصاب کریما سے لے کر سکندر نامہ تک جو شامل نصاب تھا، اسے اب بدقسمتی سے خارج کر دیا گیا ہے۔حالانکہ عہد رفتہ میں فارسی کو قومی زبان کا درجہ حاصل تھا۔علماء، صوفیہ، شعراء وغیرہم اہل قلم حضرات کی قلمی خدمات کا ایک گراں قدر علمی ذخیرہ آج بھی فارسی زبان میں موجود ہے۔جن کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت اور افادیت اپنی جگہ پر باقی ہے۔وہ فارسی جو مبتدی (طالب علم) کو سب سے پہلے پڑھائی جاتی تھی، جس سے فارسی دانی کے ساتھ ساتھ تفہیم فقہ اور پھر اس سے بڑھ کر ایک طفل مکتب پند ونصائح کا ذخیرہ جمع کر لیتا تھا، جس کے ذریعے وہ جادۂ مستقیم پالیتا، طلبہ کے خصائل وشمائل سنور جاتے، زندگی کے ہر موڑ پر فوز وفلاح قدم چومتی۔

عصر حاضر کے عظیم محقق اور شرح نگار شرف الملت والدین حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف

قادری، فاضل لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس درد و کرب اور نیک تمنا کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

"کچھ عرصہ پہلے درس نظامی کے نصاب میں فارسی کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جن سے طالب علم فارسی زبان کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق کی تعلیم حاصل کر لیتا تھا۔ آج کل ان کتابوں کو غیر ضروری قرار دے کر ترک کیا جا رہا ہے۔ کاش ہمارے علماء اس طرف توجہ فرمائیں کہ اخلاق جمیلہ انسانیت کا وہ زیور ہے جس کی اس زمانہ میں بہت زیادہ ضرورت ہے۔" (7)

مولانا محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ خوش بخت عالم و عارف ہیں جنہوں نے مبتدی، اساتذہ اور طلبہ کرام کی رہنمائی کا سامان فراہم کرنے کے لیے شامل نصاب فارسی درسی کتب کی جامع و مانع اور پر مغز، شستہ و رفتہ زبان میں شروح قلمبند فرمائیں۔ اس طرح آپ نے مدارس عربیہ کے اساتذہ، طلبہ اور فارسی سے دلچسپی رکھنے والے دیگر ملی و مذہبی سکالروں پر احسان عظیم فرمایا ۔ جب بھی کسی کتاب کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی گئی اور جس فارسی دان اہل قلم نے بھی اپنے مشکبار قلم کو جنبش دی تو وہ مولانا گھلوی کی شرح سے استفادہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔

یادگارِ اسلاف، محسن اہل سنت حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا بانگ دہل اعتراف کیا اور تحفہ نصائح کی شرح لکھتے وقت " ہدیۃ الروائح فی حل تحفۃ النصائح، المعروف شرح تحفہ گھلوی" سے استفادہ بھی کیا۔ چنانچہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں،

"اس حاشیہ کے دوران زیادہ تر حضرت مولانا محمد گھلوی رحمۃ اللہ تعالی (فارسی کی متعدد کتابوں کے شارح) کی شرح فارسی، غیاث اللغات اور تحفہ کے فارسی حواشی سے استفادہ کیا گیا۔" (8)

راقم الحروف کی نظر سے کریما سے لے کر سکندر نامہ تک جملہ شروحات گزری ہیں۔ یقیناً وہ

اپنے حسن وخوبی جامعیت اور تحقیق کے لحاظ سے قابل قدر اور لائق مطالعہ شروح ہیں۔

خیرالاذکار کا سنِ تصنیف

خیرالاذکار فی مناقب الابرار بھی آپ کی تصنیف لطیف ہے۔اس کے قلمی نسخے متعدد لوگوں کے پاس اب بھی موجود ہیں۔ جو بعض خانقاہوں اور کچھ مدارس کی لائبریریوں کی زینت ہیں ۔علامہ گھلوی نے یہ کتاب کب تصنیف فرمائی؟ حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، تاہم خیر الاذکار کے ایک اقتباس کی روشنی میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عقیدت ومحبّت سے مملو کتاب اپنے پیرومرشد کے وصال پر ملال کے تیس سال بعد کسی وقت میں تصنیف فرمائی ہوگی۔

عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں،

''خیرالاذکار کس زمانے میں مرتب ہوا؟ مولوی محمد گھلوی نے کہیں بھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا۔ نہ ہی پورے رسالے میں کہیں سنہ وسال کا تذکرہ ہوا کہ جس سے رسالے کی تحریر وتسوید کے زمانے کا اندازہ ہو سکے۔خود مولوی صاحب کے احوال و آثار کی عدم دستیابی کی وجہ سے بھی اس رسالے کی ترتیب وتہذیب پر قدرے روشنی پڑتی ہے۔مولوی محمد گھلوی نے لکھا ہے کہ:

''میاں محمد جوئیہ سے منقول ہے کہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کی اہلیۂ محترمہ آپ کی زندگی میں اکثر اوقات بیمار رہتی تھیں ،لیکن حضور عالی جناب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحبت وزیارت کے لئے مہار شریف میں آمد ورفت کے معمول میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی روا نہ سمجھتے تھے۔ایک مرتبہ یوں اتفاق ہوا کہ حضرت مائی صاحبہ (اہلیۂ محترمہ) رضی اللہ عنہ بہت زیادہ بیمار ہوگئیں، یہاں تک کہ کفن

کا انتظام بھی کر لیا گیا، مگر میرے قبلہ نے (ان نازک گھڑیوں میں) مرض کی اس قدر شدت کے باوجود مہار شریف کی طرف جانے کی مکمل تیاری کر لی۔

مخلوقِ خدا حیران تھی کہ رفیقۂ حیات کو تنہا چھوڑ کر سفر کا ذہن کیسے بنا لیا ہے؟ جب آپ اپنے اس عزمِ پیہم کے ساتھ حاجی پور شہر سے باہر نکل آئے اور بے شمار لوگ تعظیم اور رخصت کی غرض سے رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے ہر شخص کو رخصت دی۔ حضرت قبلۂ عالم کے غلاموں اور میرے قبلہ کے خدام میں سے ایک شخص میاں محمد موسیٰ تھا جو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر جو کچھ بھی کہنا ہوتا، بہ جرأتِ تمام بے تحاشہ کہہ دیا کرتا۔ (شخصِ مذکور) حضور والا کے قریب ہوا اور بڑی دلیری سے منہ پھاڑ کر بولا:

''میاں صاحب! مریضہ (رفیقۂ حیات جان بلب ہے) تم اسے تنہا چھوڑ کر پیر مرشد کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہے ہو۔ شاید تمھیں سچی اور کھری باتیں کہنے والا کوئی نہ رہا، جیسے تو کر رہا ہے اسی طرح کوئی نہیں کرتا۔''

مگر (حلم و حوصلہ اور قوتِ برداشت کے کوہِ گراں) حضور عالی جناب میاں محمد موسیٰ کے قریب ہو کر چپکے سے کان میں کہنے لگے:

''میاں! مریضہ کو ابھی موت نہیں آنی ہے۔'' (یہ سنتے ہی میاں جی کے ہوش اڑ گئے) اور خوفزدہ ہو گیا۔ کچھ بھی کہنے کی سکت باقی نہ رہی۔ آخر وہی کچھ ہوا کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہ اس قریب الموت مرض سے شفایاب ہو گئیں، بلکہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد تیس ۳۰ سال تک زندگی کی بہاریں لوٹتی رہیں۔''

ابتدائے کتاب میں سلسلہ چشتیہ عالیہ کے جلیل القدر اور صاحب قلم بزرگ اپنے پردادا پیر حضرت سیدنا شاہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دو واقعات بھی بطور تبرک

نقل فرمادیئے۔ پھر دادا پیر جمال عاشقاں، قبلہ عالم و عالمیاں حضرت سیدنا خواجہ نور محمد مہاروی اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ (حاجی پور، راجن پور) اور قبلہ عالم کے برادر طریقت مردِ میدان عشق، حضرت حافظ محمد سلطان پوری (علی پور ،مظفرگڑھ) کے حالات طیبات اور ملفوظات مبارکہ جمع فرمائے ہیں۔

مولانا کی زندگی کے شب و روز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف جیسی اہم دینی خدمات میں مصروف نظر آتے ہیں۔ خیر الاذکار میں ہے کہ وہ تین سال تسلسل کے ساتھ یارے والی میں مقیم رہے اور تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران حضرت حافظ محمد سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شیخ صحبت بنالیا۔ وہ جہاں کہیں بھی رہے، یادِ شیخ سے غافل نہ رہے۔ جب بھی فرصت کی گھڑیاں میسر آتیں بارگاہ شیخ میں حاضر ہو ہی جاتے۔ مولانا گھلوی وہ فیروز بخت شخصیت ہیں جنہیں اپنے شیخ کریم کی مجالس میں حاضری کی سعادتیں میسر رہیں۔ جب کبھی صحبت شیخ سے دوری کا دورانیہ کچھ طویل سالگتا تو مکتوبات کی صورت میں شفقتوں کی بھیک مانگ لیتے۔

عقیدتوں کے گلاب:

وہ فنافی الشیخ کے مرتبے پر فائز تھے اور یقیناً ایک کامل مردِ مومن اور مجمع الفضائل شخصیت تھے۔ خیر الاذکار میں حضرت خواجہ کے چار مکتوبات طیبات مولانا مرحوم کے نام منقول ہیں۔ جس میں مرشد گرامی نے اپنے مرید صادق کو فضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن جیسے بلند پایہ القاب سے یاد فرمایا۔ مبالغہ آرائی سے کوسوں دور و نفور، مردِ خود آگاہ اور شہید عشق کا ایسے الفاظ سے یاد

کرنا ان کے عظیم المرتبت انسان ہونے پہ زبردست غماز ہے۔ یقیناً حضرت گھلوی دولتِ صدق وصفا سے سرشار، مجسمہٗ ایثار وخلوص اور عدیم النظیر عقیدت کیش انسان تھے۔ خیرالاذکار کا حرف حرف عقیدت ومحبّت شیخ سے مملو اور لفظ لفظ خوشبوئے محبّت کا پیامی نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"ناظرین قبل ازیں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور قبلہٗ عالم رضی اللہ عنہ نے میرے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو قدر ومنزلت اور شان ورفعت میں شیخ العالمین حضرت سیدنا خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے برابر قرار دیا ہے۔ میرے قبلہ حضور رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو (بفضلِ ربی وعنایتِ ربانی) کیا خوب اور قابلِ رشک جوہرِ لطیف اور عنصرِ شریف عطا کیا گیا کہ آپ شریعت، طریقت اور حقیقت کے جامع تھے۔ ہر اعتبار سے شریعتِ مطہرہ کا پاسِ ادب آپ کی ذات والا صفات میں بطریقِ اتم موجود تھا۔ یہاں تک کہ شریعت پاک کے آداب ومستحبات نظر انداز نہ فرماتے اور ہمیشہ طہارتِ کاملہ کے ساتھ رہا کرتے، بلکہ نیند کے وقت بھی طہارت کے باوجود تازہ وضو فرما لیا کرتے۔

اپنے جملہ غلاموں پر شفقت کریمانہ کا کیا کہنا ہر غلام اور خادم یہی تصور اور نظریہ قائم کیے ہوئے ہوتا کہ حضور کا جس قدر لطف وکرم مجھ پر ہے، ایسا شاید ہی کسی دوسرے پر ہو۔ یقیناً آپ کی ذات شریفہ کی مثال اس جہان (رنگ وبو) کو نور وسرور بخشنے والے اس آفتاب کی سی تھی جو بیک وقت سب پر برابر برابر چمکتا ودمکتا اور نور بکھیرتا نظر آتا ہے۔

آپ مجاہدہ، آدابِ ریاضت اور مراتبِ طریقت کی بجا آوری میں یوں مصروف ومشغول ہوتے کہ محفل مبارک میں کسی شخص کو بھی امورِ دنیوی کے ذکر کی جرأت نہ ہوتی، بلکہ حضور اعلیٰ میں اگرچہ ہزاروں کی تعداد میں عام وخاص حاضر ہوتے، مگر جاہ و

جلال اور حشمت و دبدبہ کی بدولت آپ کی مرضی و منشا کے بغیر ہر شخص بولنا تو کجا سانس بھی آہستہ لیتا اور سر جھکائے خاموش رہتا۔ (بقول یتیم جتوئی)

[ساہ جھن کے جھات پانواں ہولے وِدی الانواں
ڈیکھاں تاں چوری چوری جندڑی بچانوڑی تھئی]

(مترجم)

دیوانہ باش:

اس قادر و قیوم ذات کی تقسیم کا عجب رنگ ہے۔ وہاں طائر عقل اور ہوش و خرد کی رسائی ناممکن ہے۔ اس لیے یہاں چون و چرا کی مجال نہیں اور لب کشائی کی جسارت گستاخی ہے۔ ہر دور میں دین متین کی صحیح معنی میں خدمت کرنے والے اکثر لوگ مفلس و قلاش اور تنگدستی کا شکار رہے ہیں۔ مولانا مرحوم کی زندگی بھی کچھ اس قسم کے معاملات و مسائل میں بسر ہوگئی۔ آپ اس فقر اضطراری سے پریشان ہو کر اپنے پیر مغان کی خدمت میں شکوہ کناں ہوئے۔ حضور! میں ایک بے کار شخص ہوں کوئی بھی کسب و ہنر نہیں جانتا۔ میرا لباس و طعام رشتہ داروں پر جرمانہ و تاوان ہے۔

فرمایا: دیوانہ باش، تاغم تو دیگراں خورد

(دنیائے دنی سے بےفکرا ہو کر) محبوب حقیقی کی محبّت میں گم ہو جا، تا کہ لوگ تجھ (خستہ جان) کا غم کھا سکیں۔ (اور تیری فیروز بختی پر عش عش کر اٹھیں)

گھلوی صاحب سراپا متواضع شخصیت:

ایک مرتبہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نور محمد ثانی کی معیت میں مہار شریف محوِ سفر تھے۔ راستے

میں شیخ محمد قریشی مرحوم کی دعوت پر قیام فرمایا۔ مولانا مرحوم خیرالاذکار میں خود یوں رقمطراز ہیں۔

''ایک رات موضع صالح پور میں جب یہ نیاز مند غلام، فیضِ مآب حضرت قبلہ (پیرومرشد خواجہ نور محمد ثانی) رضی اللہ عنہ کی معیت میں پہلی مرتبہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بجانبِ مہار شریف عازم سفر ہوا۔

ایک رات موضع صالح پور میں شیخ محمد قریشی مرحوم کی دعوت پر میرے قبلہ قیام پذیر ہوئے۔ مولوی نور احمد (رحمۃ اللہ علیہ) ساکن نوشہرہ، جنابِ حافظ محمد سلطان پوری، قاضی حافظ یار محمد ساکن دلو دجال وغیرہم، یہ بزرگ حضرات بھی ساتھ تھے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضرین کے درمیان بعض مسائل وفوائد کا ذکر چھڑ گیا۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کے اعداد کے بارے میں، جو ہر فرض نماز کے بعد حدیث پاک کے مطابق پڑھے جاتے ہیں اوراس کے ساتھ کلمۂ تمجید (**لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**) بھی ملایا جاتا ہے، یہ تعداد کے لحاظ سے ایک سو ایک بنتا ہے۔ حدیث کی روشنی میں اس کا ثواب بعض روایات کے مطابق تاروں کے برابر ہے۔

پھر سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳، اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھنے اور تعین تعداد کی حکمت پر بحث شروع ہوگئی۔ کہ کیا تعینِ تعداد کی تخصیص نفع ونقصان کے لیے ہے کہ مقررہ تعداد سے کم نہیں پڑھنا چاہیے یا ثوابِ مقررہ (تاروں کے برابر) کا دارومدار تعینِ عدد کی پابندی میں ہے کہ اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔

آخرکار تمام بزرگوں نے پہلی بات (نفع ونقصان) پر اتفاق کیا۔ بندہ (محمد گھلوی مؤلفِ کتابِ ہذا) جو اس روح پرور محفل میں خاموش بیٹھا تھا، اپنی فضلیت وبرتری

کے اظہار کے لیے گستاخی کرتے ہوئے بول اٹھا:

''میں 'حصن حصین' (مصنّف امام جزری رحمۃ اللہ علیہ) کے حاشیے میں بذاتِ خود دیکھ چکا ہوں، یہ مصرعہ لکھا ہے۔ ''من زاد زاداللہ فی حسناتہ' جس نے (عددِ معین، تینتیس ۳۳، چونتیس ۳۴ سے) زیادہ پڑھ دیا اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما دیتا ہے۔''

حضور مرشدِ کریم رضی اللہ عنہ (خاموشی سے) سب کی باتیں سنتے رہے، پھر اظہار حقیقت کچھ اس طرح فرمایا: ''اعداد کا تعین و تخصص اوراد و وظائف میں بہر صورت ضروری ہے اور وعدۂ حصولِ ثواب میں تعیینِ تعداد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اب اسے ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے۔ ایک شخص نے زر و جواہر کا خزانہ کہیں مٹی میں دفن کر دیا۔ ایک مدت کے بعد پھر اسے نکال لینے کا خیال ہوا تو اسے مکمّل طور پر احتیاط ضرور برتنی چاہیے کہ گڑھا اس جگہ کھودے، جہاں وہ خزانہ چھپایا تھا۔ اگر لاپروائی یا غلطی سے دائیں بائیں یا آگے پیچھے بیلچہ (کسی، بھاوڑا) چلائے گا تو وہ گنجِ گراں مایہ نہ پا سکے گا۔ سبھی بزرگوں نے مثال مذکور کو تسلیم کیا اور بندہ (محمد گھلوی) اپنی (علمی) جسارت پر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ نہیں نہیں، بلکہ یہ علمی جسارت و دلیری، بندے کے لیے رفعِ جہالت کا سبب بنی۔''

مولانا گھلوی بغرض استفادہ قبلہ عالم کے حضور:

مولانا گھلوی محقق و مدقق اور عبقری صلاحیت کے عظیم شارح اور عدیم المثال مدرس کی حیثیت سے تلفّظ کی ادائیگی میں محتاط تھے۔ اس سلسلہ میں وہ ایسے فیروز بخت ہیں کہ انہیں دادا پیر حضور قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خرمن علم و عرفان سے

خوشہ چینی اور گل چینی کا موقع ملا۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

''میں سلسلۂ منظومہ ہاتھ میں لیے عرض گزار ہوا: قبلہ! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ ازراہِ کرم مجھے جوابِ باصواب سے مستفید فرمائیں۔

حضرتِ والا (ازراہِ تواضع) یوں لب کشا ہوئے: ''ہم فلسفیانہ باریک بینی نہیں جانتے۔''

غلام عرض گزار ہوا: خیر (یعنی تندرستی اور بھلائی آپ کا مقدر بنے) حضور! یہ بندہ شعری باریکیاں نہیں پوچھنا چاہتا، بلکہ سلسلہ شریف میں بعض مشائخ کے القاب حروف وحرکات اور وجوہِ مناسبات (لفظوں کے باہمی تعلق کے اسباب) میں جو کچھ شک وشبہ وارد ہے، اس کا ازالہ مقصود ہے۔ حضورِ والا متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے، پوچھ لے۔'' بندہ اولاً خواجہ قدوۃ الدین فرسنافۃ الچشتی قدس سرہ کے لقب کے متعلّق عرض گزار ہوا: کہ (مولانا) عبدالغفور (لاری) رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ''نفحات الانس'' کے حاشیے میں لفظ ''فَرَسنَافہ'' کی یوں (فا اول پر زبر، را پر زبر، سین مہملہ (غیر منقوط، یعنی جس پر نقطہ نہ ہو) پر جزم اور نون استادہ (یعنی کھڑا) اور آخر میں فا، تحقیق فرمائی ہے، جبکہ بعض دوست اس لفظ کو کچھ اور طرح سے پڑھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: جی ہاں! ''عبدالغفور (مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور شاگرد) نے ایسے ہی لکھا ہے، جبکہ مجھے حضرت مولانا صاحب قبلہ قدس سرہ سے یوں سند پہنچی ہے (فَرِشْتَافَہ) فاء پر زبر را مہملہ کی زیر شین مُعجمہ (نقطہ والا حرف) ساکن اور تائے فوقانیہ (بالائی) مثنات اور آخر میں فا ہے اور کچھ لوگ اس ضبط اعراب کے آخر میں فا کو قاف سے بدل کر بھی پڑھتے ہیں یعنی (فَرِشْتَاقَہ)، مگر میرے نزدیک وہی تلفّظ مرغوب ومحبوب اور پسندیدہ تر ہے، جو میرے شیخ حضرت

مولانا نے بیان فرمادیا ہے۔ یہ بندہ اسی دن سے اسم مبارک ''فرشتافہ'' کو اسی تلفظ سے پڑھتا ہے اور لفظ ''دِینَوری'' حضرت خواجہ ممشاد کا لقب ہے۔ ''دال'' مہملہ کی زیر اور ''نون'' پر زبر ہے، جبکہ دال پر زبر اور نون پر پیش، یعنی دَینُوری درست نہیں۔

اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان کے لقب کے بارے میں عرض کیا: کہ ''ہارونی'' میں را پر پیش پڑھا جائے۔ فرمایا: نہیں، بلکہ ''را'' اور ''واؤ'' دونوں پر زبر ہی پڑھی جائے اس لیے کہ ''ہارَوَن'' حضرت خواجہ عثمان کی جائے پیدائش ہے، جو کہ ملکِ عراق میں نیشاپور کے گردونواح میں واقع ہے۔'' (یادرہے کہ) اسے 'را' کے پیش اور 'واؤ' ساکن کے ساتھ پڑھنا غلط العوام ہے۔

منتخب اللغات میں ہے کہ ''سنجر'' ایک شہر کا نام ہے، جو سلطان سنجر کی جائے ولادت ہے، ''موصل'' سے تین دن کی راہ پر واقع ہے۔ مشائخِ کرام کے ملفوظات میں آیا ہے کہ ''سنجار'' عراق کا ایک قصبہ ہے، جو بغداد سے سات دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ''سنجری'' اسی سے منسوب ہے۔ حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی حضرت سید حسن کا وطن ہے۔ اس کے بعد ''وکیل الباب'' کی حقیقت کے بارے سوال کیا تو فرمایا: اس لفظ کا معنی عام فہم ہے، مشکل نہیں۔

اَی وَکیلُ بابِ العلمِ والمعرفۃِو بابِ الرحمۃِ و بابِ الجنۃِ بل وکیلُ بابِ جمیعِ الفیوضاتِ.

یعنی (۱)۔۔باب علم ومعرفت کے وکیل (۲)۔۔باب جنت ورحمت کے وکیل ، بلکہ تمام تر فیوضات وبرکات کے وکیل۔

''اُوشی'' ہمزہ کے پیش کے ساتھ، شہر ''اوش'' کی طرف منسوب ہے، جو حضرت

قطب الاسلام خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے سکونت ہے۔"

وجد گھلوی:

منظوم حسن کلام، خستۂ جان عاشق زار کے دل میں ایک حشر برپا کردیتا ہے۔ اربابِ محبت اور اہل ذوق اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جب حضرت گھلوی اپنے شیخ کریم کے ہمراہ مہار شریف جا رہے تھے۔ دوران سفر ایک رات کعبۂ سخن حافظ شیرازی کی غزل کے اشعار کانوں میں رس گھول رہے تھے۔ مستیٔ کیف وسرود سے خانۂ دل میں ایک شور محشر بپا ہو گیا۔ مولانا گھلوی کی اپنی زبانی سنیئے،

"یہ بندہ جب پہلی مرتبہ اپنے کعبہ وقبلہ ایمانی حضرت خواجہ نور محمد ثانی کی پاکیزہ معیت میں مہار شریف گیا تھا۔ کوڑے خاں ہکڑا (زہے نصیب) کہ اسے ہمارے حضور کی غلامی کا شرف حاصل تھا۔ ہم ان کی بستی میں شب باش ہوئے لوگ نماز عشاء کی تیاری کرر ہے تھے۔ کہ اچانک دوستوں میں سے کسی نے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ بندہ کو درج ذیل مصرع پر وجدانی کیفیت پیدا ہوئی۔

"راست گو کہ ایں زمان تا تو، از اں کیستی"

یعنی سچ سچ بتا کہ اس وقت تیرا شمار کن لوگوں میں ہے، میں کیف وسرود کی مستی میں اپنی جگہ سے اچھل کر صف سے باہر جا پڑا اور پھر اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر آبیٹھا۔ اور لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔" (9)

گھلوی بحیثیت شاعر:

آپ کی نثری خدمات سے کوئی اہل علم صرف نظر نہیں کر سکتا، حواشی اور شرح نگاری میں

آپ کا مقام بلند ہے۔اس کے ساتھ ساتھ نظم سنجی میں بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔خیر الاذکار (نسخہ الف) کے آخر میں فارسی اور عربی میں ان کی چار منظومات شامل ہیں۔ پروفیسر عبدالعزیز ساحر نے ان کی منظومات کو تبرک کی حیثیت سے مقدمہ میں نقل کر دیا ہے۔نعت کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔(10)

نعت

ای سرِ پیغمبراں مشتاقِ دیدارِ توام — ای شفیعِ عاصیاں مشتاقِ دیدارِ توام
تو پادشاہی من گدا، تو قبلہ من قبلہ نما — ای پیشوایِ مرسلاں مشتاقِ دیدارِ توام
در عرصۂ کون و مکاں دادت خدا حکمی رواں — سلطاں سریرِ کن فکاں مشتاقِ دیدارِ توام
دیدی جمالِ کبریا گشتی برازش آشنا — شہباز اوجِ لامکاں مشتاقِ دیدارِ توام
داری جمالِ بوالعجب عالم براہت جاں بلب — ای راحِ روحِ خستگاں مشتاقِ دیدارِ توام
از ہولِ آں روز پسیں دارم دلِ اندوہگیں — ای چارۂ بی چارگاں مشتاقِ دیدارِ توام
جز تو ندارد از کسی امیدِ یاری مفلسی — ای غم گسارِ بی کساں مشتاقِ دیدارِ توام
زیرِ لوایت انبیا محتاجِ تو شاہ و گدا — ای فیض بخشِ ہمگناں مشتاقِ دیدارِ توام

مولانا گھلوی اور حضرت حافظ محمد سلطان پوری کے مابین بے غرض محبّتیں:

دنیوی حرص و طمع ،لالچ ،آز سے ہٹ کر محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کے لیے آپس میں محبّت کرنے والے خوش بخت لوگوں کو بروز قیامت جو مرتبہ و مقام دیا جائے گا۔اس پر انبیائے کرام بھی رشک کریں گے۔ہمارے قابل قدر اسلاف کی پر نور روشن سہانی زندگیاں اس نعمت سے سرشار نظر آتی ہیں۔مولانا گھلوی اور قبلہ عالم کے برادرِ طریقت حضرت حافظ محمد سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مابین

جو رشتۂ محبّت قائم رہا، وہ ہر قسم کی دنیاوی آلائش سے پاک وصاف تھا۔ دونوں دوسرے کی زیارت کے لیے اپنے گھر سے نکل پڑتے۔ مزید مولانا کی زبانی سماعت فرمایئے،

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب بندہ سلطان پور کے قریب بستی یارے والی میں زندگی کی (انمول) گھڑیاں گزار رہا تھا۔ میں اکثر وبیشتر حافظ صاحب کی خدمتِ عالیہ میں چلا جاتا اور ان سے (علمی وعملی اور روحانی) فوائد حاصل کرتا اور آپ بھی ازراہِ کرم وبندہ نوازی، فقیر کے ہاں تشریف لایا کرتے اور کبھی کبھار ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ بندہ حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑتا اور وہ مجھے ملنے کے لیے اپنے گھر سے نکل پڑتے۔ (یعنی ہم ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکلتے، مگر ایک دوسرے کو نہ پاسکتے) حضرت حافظ صاحب کو آنے میں جو حرج واقع ہوتا، مجھے اس سے گھٹن سی محسوس ہوتی۔ اس لیے ان کے حضور عرض گزار ہوتا: ''بندہ حصولِ سعادت کے لیے آپ کی زیارت کے لیے حاضر تو ہو ہی جاتا ہے، پھر آپ یہ تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟''

(حضرت حافظ صاحب) کبھی تو جواب نہ دیتے، بلکہ خاموشی اختیار فرماتے اور کبھی یوں جواب عطا فرماتے: ''میرا دل بھی چاہتا ہے کہ تجھے دیکھ لیا کروں۔''

[تحسین ٹوٹ کر میں جسے چاہتا رہا
اس کے بھی پیار میں کبھی کوئی کمی نہ تھی (اضافہ از مترجم)]

تین سال تک ایک دوسرے کی طرف آمد ورفت کا یہ (پرخلوص) سلسلہ متواتر جاری وساری رہا۔ یہاں تک کہ (میں) تقدیر الٰہی سے وہاں سے کوچ کر کے گھلواں (علی پور گھلواں) واپس مقیم ہو گیا اور پھر زیارت کی سعادت اور دولتِ قدم بوسی کا

شرف گاہے گاہے میسر ہوتا رہتا۔‘‘

خلافت:

معاصر کتب ملفوظات میں حضرت گھلوی کی خلافت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں آپ کو حضرت خواجہ نور محمد ثانی کریم رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ شمار کیا ہے۔

خیرالاذکار میں بھی صراحتاً تو ذکر خلافت نہیں ملتا۔ حضرت خواجہ نارووالہ کریم کے روضۂ اقدس کے دروازے پر مولانا گھلوی اور مولوی عزیز اللہ چنتر بیٹھے مناقب شیخ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس ضمن میں ان حضرات کی آپس میں جو نسبت اور تعلق قائم تھا۔ اسے خیرالاذکار میں یوں تحریر فرمایا،

’’ایں عاجز و مولوی عبدالعزیز جنجن ہم خرقہ ایں عاجز‘‘(11)

اگر چہ اس درج بالا عبارت سے حتمی طور پر خلافت کا ثبوت ہرگز فراہم نہیں ہو رہا ،تاہم مولانا گھلوی نے تواضعاً اور کسر نفسی کی بنا پر واشگاف اور کھلے لفظوں میں نہ سہی خلافت کی جانب ایک ہلکا سا اشارہ دیا ہو۔ امکانی حد تک ایسا سمجھ لینا بعید از عقل نہیں اور یہ کوئی امر دشوار و محال نہیں۔

کیونکہ مولانا گھلوی وہ خوش بخت انسان ہیں جو محبّت شیخ میں مقام فنائیت پر فائز اور جذبۂ فدائیت سے سرشار تھے۔ انہیں بارگاہ شیخین (قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی اور خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ) میں ایک خاص قرب و مقام حاصل تھا۔ وہ حضرت فخر الدین عراقی کے درج ذیل شعر

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

''(اے دلربا محبوب!) تیری تلوار کے وار سے دشمن محروم ہی رہے۔ خدا کرے تیرے چاہنے والے تا دیر سلامت رہیں تا کہ تیری نگاہوں کے خنجر بار بار چلتے رہیں۔''

کا کامل مصداق نظر آتے ہیں۔ شیخ کریم کی نظر کیمیا اثر نے شعور و آگہی کا وہ فیضان بخشا، کہ آج شاہ نارووالہ کریم کے مریدین اور عقیدت مندوں میں آپ کا نام نامی روز روشن کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے اور علمی دنیا میں گلستان چشت اہل بہشت کے بلبل ہزار داستان قرار پاتے ہیں۔

گوہر شناس پیر ہدیٰ نے از راہ شفقت و محبّت، جوہر تابدار کی قدر و منزلت آشکارا کرتے ہوئے اپنے کئی جوابی مکاتیب شریفہ میں ''فضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن و اشفاق جیسے بلند پایہ القاب سے نواز کر صاف شفاف انداز میں سمجھا دیا کہ ایسے مریدانِ باصفا اور دیدہ ور لوگ عبقری صلاحیت کی حامل نادر روزگار شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ گردش دوراں کے کئی ادوار گزر جاتے ہیں تب کہیں ایسے ستودہ صفات انسان خاک کے پردے سے نکل کر اس بزم ہستی میں رونق جہاں بنتے ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

نگاہِ شیخ میں اس قدر مقبول و محبوب، علمی جلالت اور رفعت و شان کے باوجود بھی انہیں خلافت کا اہل نہ سمجھا جائے اور خلافت و اجازت جیسی نعمت غیر مترقبہ سے محروم

رکھا جائے۔ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اسے عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔

آج مولانا گھلوی کو اس دار فانی سے سدھارے ہوئے کم و بیش اڑھائی سو سال ہو رہے ہیں، مگر ان کی والہانہ خلوص و محبّت سے لبریز زندگی کا جلال و جمال پہلے سے بھی کہیں نمایاں نظر آتا ہے۔

اجل سے اور بھی بڑھ جائے گا جلال اپنا
خدا گواہ کہ وہ تاجدار ہیں ہم لوگ

بعض دوستوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پیر طریقت خواجۂ نازنین حضرت شاہ ناروواله کریم کا خاندان آج بھی آپ کی عزت و کرامت اور عظمت کے ساتھ ساتھ خلافت کا بھی معترف ہے اور لوح مزار پر نصب شدہ کتبے پر ''خلیفہ مجاز'' کے الفاظ بھی ہمارے موقف پر زبردست غماز ہیں۔

تصانیف:

دین متین کی خدمت کے بے شمار شعبے ہیں۔ان میں سے درس و تدریس، تصنیف و تالیف خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔مولانا گھلوی نے اپنے قابل رشک اسلاف ،اکابرین چشت اہل بہشت کی طرح اس شعبے میں بھی قابل تحسین خدمات سرانجام دی ہیں۔انہوں نے اپنے دور کی دینی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر علمی و عملی اور تحقیقی و تخلیقی کاموں کی خوشبو سے ایک جہان کو مہکا دیا۔حواشی، تعلیقات اور شرح نگاری میں ایک عدیم المثال قلم کار کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا۔آپ کی شروح اہل علم حضرات کے پاس اب بھی مختلف مقامات پر موجود نظر آتی ہیں۔

خیرالاذکار فارسی کے مرتب عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں،

''مولوی محمد گھلوی اپنے عہد کے بہت پڑھے لکھے اور عالم و دانا انسان تھے۔ ساری زندگی درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ انہوں نے خیرالاذکار کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں اور بہت سی کتابوں پر حواشی اور تعلیقات بھی تحریر کیے۔ شرح نگاری میں بھی وہ بلند مرتبے پر فائز تھے۔ ان کی کتابیں ان کی علمی متانت اور وقار کی آئینہ دار ہیں۔ تونسہ مقدسہ اور مکھڈ شریف کے کتب خانوں میں ان کی مندرجہ ذیل تالیفات محفوظ ہیں:

کتب خانہ تونسہ مقدسہ:

- شرح سکندر نامہ [۲ جلدیں]
- شرح یوسف زلیخا
- شرح بوستان
- حاشیہ تحفۃ الاحرار
- حاشیہ بر مخزن اسرار
- شرح کریما
- شرح مطلع الانوار
- شرح تحفۃ النصائح
- شرح گلستان
- شرح نام حق

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈ شریف:

- شرح بوستان سعدی [۳ نسخے]

مکتوبہ: سید نذیر شاہ مکھڈی: ۱۲۷۲ھ

مکتوبہ: عبدالمجید: س۔ن

مکتوبہ: نامعلوم: س۔ن

- شرح پندنامہ عطار: [۲ نسخے]

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: س۔ن

مکتوبہ: عبدالمجید: ۱۲۸۸ھ

- شرح سکندرنامہ [جز اول]

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: ۱۲۸۹ھ

- شرح سکندرنامہ [جز ثانی]

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: ۱۲۸۹ھ

- شرح یوسف زلیخا جامی [۳ نسخے]

مکتوبہ: نامعلوم: ۱۲۹۴ھ

- شرح سبحۃ الابرار جامی (12)

خیرالاذکار کی ترتیب پر عبدالعزیز ساحر کا تبصرہ:

پروفیسر عبدالعزیز ساحر نے کتاب ہذا کی ترتیب وتہذیب کے دوران نسخہ الف عکسی نسخہ مملوکہ مولانا محمد رمضان معینی، تونسہ شریف کو بنیادی نسخہ قرار دیا، اس کی وجہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

''راقم نے خیرالاذکار کا تنقیدی متن مرتب کرنے کے لیے نسخہ 'الف' کو بنیادی نسخہ قرار

دیا اس کی اختصاصی صورتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ خیر الاذ کار کے معلوم نسخوں میں یہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔

۲۔ اس کے کاتب صاحب علم و عرفان تھے۔ (باقی کاتبوں کا مبلغ علم کیا رہا ہے؟ معلوم نہیں)

۳۔ اس نسخے کے کاتب سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت رکھتے تھے۔ (اگر باقی کاتب بھی اس سلسلے کی سلک غلامی میں سفتہ تھے، تو راقم کی مطالعاتی حدود ان کے تعین میں ناکام رہی ہیں۔)

۴۔ اس نسخے کے کاتب بغلانی اور تو نسہ مقدسہ میں اقامت پذیر رہے اور وہ عملاً کتابت اور فن کتابت سے وابستہ تھے۔ ان کا ذوق کتابت محض اس رسالے کی نقل نویسی اور صورت گری تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کی دیگر مکتوبہ کتابیں بھی موجود ہیں۔

۵۔ یہ نسخہ ہر لحاظ سے مکمّل ہے۔ (بقیہ دو نسخے کرم کتابی کی دست برد کا شکار ہیں اور چوتھا نسخہ نامکمّل ہے۔)

۶۔ اگر خیر الاذ کار کا کوئی دوسرا نسخہ نہ بھی ہو، تو محض اس نسخے کی بنا پر تمام متن کی تہذیب و ترتیب ممکن ہے۔'' (13)

خیر الاذ کار اور شان امتیازی:

خیر الاذ کار مولانا گھلوی کا فارسی اسلوب، انداز نگارش، اس کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں اس سلسلے میں خیر الاذ کار کے مرتب عبد العزیز ساحر، صدر شعبہ اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے اپنے بہار آفریں قلم سے جو رقم فرمایا، وہ من عن نقل کرتا ہوں۔

''خیر الاذ کار کی زبان دری فارسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مرتب کا خلوص اور ارادت کیشی اس

مجموعے کی حیات دوام کی دلیل ہے۔ اس میں فکر و فرہنگ کا اسلوبیاتی آہنگ: شعور و ادراک کی جمالیاتی معنویت کو اپنی تمام تر رنگینی اور رعنائی کے ساتھ منکشف کر رہا ہے اور یوں اس سے ایک طرف حسن خیال کے قرینے اپنے اپنے مدار میں گردش کناں رہتے ہیں، تو دوسری جانب اس کا حسن آہنگ: گنجینۂ معانی کی طلسماتی فضا کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ مولوی محمد گھلوی نے مشاہداتی معنویت اور صداقت احساس کے مختلف اور متنوع رنگوں کے امتزاج سے ایک ایسا رنگ سخن نکالا ہے، جو ان کے ادبیانہ اسلوب کا ترجمان بھی ہے اور ان کی متصوفانہ بصیرت افروزی کا علمبردار بھی۔

خیرالاذکار کے پیش منظر میں پھیلتا ہوا تصوف اور عرفان کا منظر عامہ: شعور و خیال کی تابنا کی پر گواہ ہے۔ خیرالاذکار میں عرفان و یقین کی خوشبو بھی ہے اور فقہی مسائل کے رنگ بھی اور یوں خیرالاذکار کی یہ خوشبو اور اس کا رنگ و آہنگ: فکری اساس اور معنوی طرز احساس کے ایسے دریچے وا کرتا ہے۔ جن سے نظام چشت کا دستورالعمل اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ منکشف ہوتا ہے اور طرز احساس کی یہ معنویت رعنائی خیال کے منظر نامے کو اجال دیتی ہے۔

اجلے اجلے مناظر کی اس رنگینی سے وحدت ذات کی جلوہ آرائی کے ایسے موسم طلوع ہوتے ہیں، جن کی بو باس کہیں اور محسوس نہیں ہوتی۔

خیرالاذکار کئی حوالوں سے انفرادیت کا خزینہ ہے۔ اس کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس مجموعے میں فخر جہاں کی مجالس کے جو تین واقعات آئے ہیں، وہ اس مجموعے کے علاوہ کہیں اور باصرہ نواز نہیں ہوتے۔

۲۔ اس مجموعے میں قبلۂ عالم کے جو ملفوظات گرامی نقل ہوئے ہیں، وہ نہ تو

خلاصۃ الفوائد میں آئے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے معاصر مجموعے میں۔ خاص طور پر انہوں نے مولوی محمد گھلوی کی فرمائش پر صوفیائے چشت کے اسمائے گرامی اور ان کے القابات پر حرکات وسکنات کی جو خوب صورت اور عارفانہ توجیہہ کی ہے، وہ اس سے قبل کہیں اور مذکور نہیں ہوئی۔ بعد ازاں یہ توضیح اور تعبیر خیر الاذکار کے حوالے سے گلشن ابرار میں بھی نقل ہوئی اور دوسرے کئی مجموعے بھی اس کی خوشبو سے معطر ہیں۔

۳۔ اس مجموعے میں خواجہ نارووالہ کے چار مکتوبات بھی نقل ہوئے ہیں اور اس کے احوال وملفوظات بھی۔ ان کے حوالے سے یہ مجموعہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد میں چشتیہ سلسلے کے جتنے تذکرے بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، ان میں خواجہ نارووالہ کے احوال اور تعلیمات کا مصدر اور مرجع یہی مجموعہ رہا ہے۔

۴۔ شاہ فخر جہاں کے مرید وخلیفہ حافظ محمد سلطان پوری کے احوال وآثار بھی اس مجموعے کی وساطت سے پہلی بار سامنے آئے۔ اگر یہ مجموعہ حافظ صاحب کے احوال ومناقب کو محیط نہ ہوتا، تو فخریہ سلسلے کے اس عظیم فرد کے احوال وآثار کہیں پردۂ گمنامی میں گم ہو جاتے۔

۵۔ اس مجموعۂ احوال ومناقب میں متعدد ایسی شخصیات کے نام اور احوال آئے ہیں، جو قبلۂ عالم اور خواجہ نارووالہ کے دائرہ اثر وعقیدت میں بندھے ہوئے ہیں ۔ان میں سے اکثر لوگ غیر معروف اور گم نام ہیں۔ لیکن نامقبول نہیں۔۔۔ کیونکہ ان کا حسن قبولیت اس سلسلے کی سلک غلامی میں سفتہ ہونے سے عبارت ہے۔

۶۔ خیر الاذکار انیسویں صدی میں لکھے گئے چشتیہ سلسلے کے تذکروں کا بنیادی ماخذ اور مخزن رہا۔ مناقب المحبوبین، گلشن ابرار، مخزن چشت اور تکملہ سیر الاولیا میں اس

کے حوالے اور اقتباسات کثرت سے نقل ہوئے۔ مابعد کے تذکروں میں بھی اس کا ذکر
تو ہوتا رہا اور آج بھی ہو رہا ہے۔لیکن اس کے براہ راست حوالے کہیں دکھائی نہیں دیتے
۔یوں لگتا ہے کہ اپنی تحریر وتسوید کے معاًبعد ہی یہ رسالہ کنج گمنامی میں دب کر رہ گیا۔جن
ذاتی کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود تھے،ان کے وارثوں نے اس کی روشنی کو عام
نہیں ہونے دیا۔صوفیانہ ادب کے خزائن کو حرز جاں بنانے اور بنائے رکھنے میں بھی کوئی
لطف تو یقیناً ہوگا،مگر انہیں عام کرنے اور ان کی خوشبو کو پھیلانے میں بھی ایک لطف؛
ایک ترنگ اور ایک وجہ تسکین بہر حال موجود ہے۔" (14)

زیارت حرمین شریفین:

حرمین شریفین کی زیارت کی حسین امنگ کس اہل محبت کے سینے میں نہ ہوگی۔وہ آدمی
کس قدر خوش بخت ہوتا ہے جس کی یہ خوبصورت تمنا زندگی کی کسی موڑ پر پوری
ہو جائے،وہ یقیناً حدیث پاک "**من زار قبری وجبت له شفاعتی**"
(جس نے میری قبر مکرم کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی) کے
زمرہ میں داخل ہو کر خوش خبری کا حقدار ٹھہرتا ہے۔
مولانا گھلوی کا شمار بھی ان خوش بخت انسانوں میں ہوتا ہے جنہیں یہ سعادت حاصل
ہوئی۔نور محمد نظامی اپنی کتاب "شرح معجزات نبوی" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔"
آپ نے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی تھی۔"(15)

ریاست بہاول پور کے نواب سے تعلّقات:

تاریخ کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ سابقہ دور میں امراء،علماء کی خدمت

میں حاضر ہوتے اور اصلاح اعمال کا سامان جوڑتے۔ آج کے اس مادیت زدہ دور میں معاملہ کچھ الٹ سا ہو گیا ہے۔ نام نہاد علماء نے اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے امراء کی کوٹھیوں کو قبلہ بنا کر طواف کرنا شروع کر دیا ہے اور شب و روز چاپلوسی اور خوشامد میں بیت جاتے ہیں۔ مولانا گھلوی اس قسم کی فکرِ اسفل اور عمل شنیع سے پاک تھے۔ مخلوق خدا کی دلداری اور نفع رسانی کی غرض سے ریاست بہاول پور سے ان کے اچھے اور خوشگوار تعلّقات تھے۔ نور محمد نظامی لکھتے ہیں،

"آپ کے ریاست بہاول پور کے نواب بہاول خان ثانی بن فتح خان بن نواب صادق محمد خان اول (متوفی ۱۸۰۹ء) کے ساتھ قریبی تعلّقات تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک کتاب میں نواب صاحب کی تعریف کی ہے اور دعا دی ہے۔" (16)

وصال پر ملال:

انہیں اپنے پیر روشن ضمیر سے والہانہ محبّت تھی اور وہ فنا فی المرشد کے مقام پر فائز تھے۔ راقم الحروف کے پیر و مرشد سرزمین مہرے والہ (فاضل پور ضلع راجن پور) کے بے تاج بادشاہ حضرت پیر سید مرید قلندر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ راقم کو حضرت خواجہ نور محمد ثانی کے مزار فیض بار کی زیارت فیض بشارت کے لیے حاجی پور شریف بذات خود بھیجا۔ واپسی پر حضرت گھلوی کا ذکر چل نکلا، آپ نے ان کی تعریف و توصیف میں اپنی زبان درفشان سے چند موتی پیش کیے اور یہ بھی خبر دی کہ حضرت گھلوی صاحب نے اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو وصیت کی ہوئی تھی کہ میرے جسد خاکی کو حاجی پور شریف تک لے جانے کے لیے اگر مالی حالات ساتھ نہ دے سکیں اور

سواری کا انتظام نہ ہو سکے تو میرے پاؤں میں رسی ڈال لینا، پھر میرے لاشہ کو گھسیٹ کر شیخ مکرم کے قدموں میں لے جانا۔ گوشت پوست نہ سہی ہڈیاں تو یار کے قدموں میں پہنچ پانے کی سعادت پالیں گی۔

اپنے پیر روشن ضمیر شاہ نارووالہ کے قدموں میں باب جنت کے مغرب میں واقع قبرستان میں مدفون ہیں۔ قبر پر ایک قدیم درخت سایہ فگن ہے۔ مولانا گھلوی کے حالات طیبات کی ترقیم کے دوران راقم الحروف قطب العارفین شاہ نارووالہ کی مزار پرانوار پر 03 جون 2016ء، بمطابق ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ حاضر ہوا۔ علامہ گھلوی کی بارگاہ میں بھی شکریہ ادا کرنے کی حسن نیت سے حاضری دی کہ خیر الاذکار کے ترجمہ کا کام مجھ عاجز و ناتواں سے لے لیا گیا۔ یقیناً لطف حاصل ہوا، یوں محسوس ہو اگویا حضرت گھلوی میری طرف ہمہ تن متوجہ ہیں اور حالت یہ تھی کہ واپس چلنے کو تو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ قبر شریف پر مشرقی جانب کتبہ نصب ہے۔ جس پر یہ الفاظ مرقوم ہیں،

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زنور محمد جہاں روشن است

حضرت مولانا محمد بن غلام محمد گھلویؒ

خلیفہ حضرت نور محمد نارووالہؒ

مصنف: خیر الاذکار"

جبکہ اس سے قبل اسی کتبہ کے متعلق راجہ نور محمد نظامی، احمد بدر اخلاق کی کتاب "مزارات اولیائے ڈیرہ غازی خاں" لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۷۵۔۴۷ کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں۔

"خلیفہ مجاز فخر الاولیاء خواجہ نور محمد نارووالہ غریب نواز حضرت مولانا محمد گھلوی صاحب" (17)

شاید اس وقت اسی نوعیت کا کتبہ نصب ہوگا۔

خیر الاذکار فارسی کو نئی ترتیب وتہذیب اور حواشی کے ساتھ پہلی بار منظر عام پر لے آنے والے پروفیسر عبد العزیز ساحر نے کتبہ کے متعلّق یوں تحریر فرمایا۔

"قبر پر کسی بھی نوع کا کوئی کتبہ نصب نہیں۔" (18)

یقیناً اس وقت کوئی کتبہ نصب نہیں ہوا ہوگا۔

آپ کی قبر شریف کے محل وقوع کے متعلّق پروفیسر عبد العزیز ساحر نے رانا غلام یسین کا ایک مکتوب من عن نقل کیا ہے۔راقم قارئین کی معلومات کے لیے وہی مکتوب نقل کرتا ہے۔

"حاجی پور میں مزار شریف میں داخل ہونے کا راستہ (مین دروازہ) شمال کی طرف ہے۔آگے وسیع صحن ہے۔پہلے مزار کے اندر جانے کا دروازہ بھی شمال کی طرف تھا، لیکن اب اسے جالی لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔اسی دروازے سے ملحق مسجد ہے۔اب دروازہ مشرق کی طرف ہے، جس کے آگے ایک ہال ہے۔اس کے تین دروازے شمال کی طرف ہیں اور تین جنوب کی طرف ہیں۔مزار کے جنوب کی طرف بہشتی دروازہ ہے، جب کہ مغربی سمت میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔مزار شریف کے اندر کل چھے قبریں ہیں۔حضرت نارووالہ کے مزار کے مغرب میں بالترتیب تین مزار ہیں۔ حضرت خواجہ غلام رسول، حضرت نور محمد ثانی، حضرت محمد ثانی۔۔۔۔۔۔

خواجہ صاحب کے مزار کے مشرق میں بالترتیب دو مزار ہیں۔حافظ محمد سئیں، خواجہ غلام رسول المعروف اللہ ڈیوایا۔مشرقی دروازے کے سامنے ہال سے ملحقہ خواجہ منظور فرید کا مزار ہے۔ہال کے جنوبی دروازوں کے باہر بہشتی دروازے کے مشرق میں تین

قطاروں میں کل ۲۳ قبریں ہیں۔ بہشتی دروازے سے ملحق مشرق میں پہلا مزار حضرت ناروواله کے والد صاحب کا ہے۔اس کے بعدے قبریں ہیں۔دوسری قطار میں مغرب سے مشرق میں ۱۰ قبریں ہیں اور تیسری قطار میں پانچ۔باب جنت کے مغرب میں وسیع قبرستان ہے جو مزار کی پشت سے ہوتا ہوا مسجد تک پھیلا ہوا ہے۔اسی قبرستان کی جنوبی سمت میں دوسری قطار میں مشرق سے مغرب کل ۱۰ قبریں ہیں۔مشرق سے مغرب کی طرف گنتی کریں تو ۴ نمبر پر حضرت گھلوی کا مزار ہے۔" (19)

ماخذ ومراجع

1۔ نقد ملفوظات ص ۱۰۷، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور۔

2۔ حرف اول از پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی، مترجم کتاب مخزن چشت ص ۲۴۔

3۔ علی پور اور ادبی سرگرمیاں، روزنامہ آفتاب ۹ دسمبر ۱۹۸۴ء۔

4۔ مرکز علمائے پنجاب جلد ۱، ص ۱۶۷، حاشیہ۔

5۔ سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد شمارہ نمبر ۱۸، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴، مضمون بعنوان پنجاب کے مشہور فارسی شارح، مصنف اور صوفی مولوی محمد بن غلام محمد گھلوی ص ۶۰۔

6۔ مناقب المحبوبین فارسی ص ۶۴، مطبوعہ رام پور انڈیا ۱۲۸۹ھ۔ ۱۸۷۲ء

7۔ مقدمہ تحفہ نصائح تذکرہ مصنف، ص ۴ حاشیہ نگار محمد عبدالحکیم شرف قادریؒ

8۔ مقدمہ تحفہ نصائح تذکرہ مصنف، ص ۴ حاشیہ نگار محمد عبدالحکیم شرف قادریؒ

9۔ خیرالاذکار فارسی، ملخصاً ص۔۔۔

10۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۱۱

11۔ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۸۰

12۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۹۔۱۰

13۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۲۷۔۲۶

14۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۱۹۔۱۷

15۔ سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد شمارہ نمبر ۱۸، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴، مضمون بعنوان

پنجاب کے مشہور فارسی شارح، مصنف اور صوفی مولوی محمد بن غلام محمد گھلوی ص ۶۰ ۔

16۔ محمد بن غلام محمد گھلوی، شرح سبحۃ الابرار، بحوالہ سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد شمارہ نمبر ۱۸، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴، مضمون بعنوان پنجاب کے مشہور فارسی شارح، مصنف اور صوفی مولوی محمد بن غلام محمد گھلوی ص ۶۱ ۔

17۔ سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد شمارہ نمبر ۱۸، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴، مضمون بعنوان پنجاب کے مشہور فارسی شارح، مصنف اور صوفی مولوی محمد بن غلام محمد گھلوی ص ۶۱ ۔

18۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۱۳

19۔ مقدمہ خیرالاذکار فارسی، مرتب عبدالعزیز ساحر ص ۱۳۔۱۴

☆☆☆☆☆☆

تقریظ و تاثرات

کہنہ مشق مدرس استاذ العلماء حضرت علامہ پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی صاحب، مترجم النبراس، مرام الکلام، نعم الوجیز، ایمان کامل، مکتوبات مہاروی اور گلشن ابرار وغیرہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین برصغیر پاک و ہند میں توحید و رسالت کا پرچار کرنے والے بزرگان دین کثرت سے آئے۔ان کے فیوض و برکات اور دینی خدمات و کرامات نے پورے ملک کو فیض یاب کیا۔ان کی روحانی سخاوت و فیاضی کے نتیجے میں ایک ایسی ہستی سر زمین پنجاب چشتیاں شریف نمودار ہوئی۔ جسے دنیا قبلہ عالم شاہ نور محمد مہاروی اور آپ کے خلیفہ اعظم شاہ نور محمد پر ہار حاجی پور ضلع راجن پور کو نہ صرف جانتی پہچانتی بلکہ واجب التعظیم بھی گردانتی ہے۔ موجود ملفوظات ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' شاہ نور محمد ثانی پر ہار کی ایسی دستاویز مبارک ہے جس میں تصوف کے مقامات راہ سلوک کے منازل اور طریقت کے معارف و حقائق کی بھرپور گرہ کشائی کی گئی ہے۔ جسے پڑھ سن کر انسان کے دل پر محبت الٰہی کا فیضان اور اسرار خداوندی کا عرفان حاصل ہوتا ہے ۔دل و دماغ وجد کرتے ہیں اور روح پر کیف طاری ہو جاتا ہے۔ عموماً ہمارے بزرگوں کے ملفوظاتِ شریفہ کی زبان فارسی ہے۔ اگر آج کی ذہنی و فکری فضا کے مطابق ہماری قومی زبان اردو میں ٹرانسلیٹ ہو جائے، تو نسل نو کا نئے حالات سے مغلوب ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مادیت کا سیلاب خواہ کتنا ہی زبردست اور زور آور کیوں

نہ ہو، اسلاف سے ہماری وابستگی ہمارے قدموں کو کبھی بھی کسی موڑ پر اکھڑنے نہیں دے گی
۔ فی زمانہ ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے پیر و مرشد شاہ نور محمد پر ہار رحمۃ اللہ علیہ کے
ملفوظات مولفہ مولانا محمد بن غلام محمد گھلوی، آج کی زبان اور عصر حاضر کی تحقیق و تدوین کے
انداز میں پیش کر کے اہل اللہ سے اپنا دینی وروحانی رشتہ مضبوط سے مضبوط تر بنائیں ۔الحمد
للہ کہ عزیز از جان غلام جیلانی چاچڑ کتاب ہذا کے مطالب و مفاہیم کو اردو جامہ پہنانے میں
نمایاں کوشش کر گئے ۔ خیر الاذ کار فی مناقب الابرار ہمارے تین جلیل القدر اکابر کے احوال و
آثار کا خوبصورت فارسی مجموعہ ہے جسے درسی فارسی نصاب کے مشہور شارح مولانا محمد گھلوی
صاحب نے انتہائی محبّت سے قلمبند کیا ۔ وقت کی نزاکت اور ضرورت کا تقاضا تھا کہ اس
قدیم ماخذ کے نقش ہائے رنگارنگ کو عام فہم اور سلیس اردو قالب میں ڈھالا جائے ۔
الحمد للہ مولانا غلام جیلانی چاچڑ نے اس ضرورت کو حسن وخوبی سے نبھایا ہے۔
میں نے مکمّل ترجمہ کو اصل متن کے ساتھ ملا کر بغور مطالعہ کیا اور پھر جہاں کہیں ضرورت
محسوس کی وہاں متبادل الفاظ بھی لکھ دیا ہے ۔ ماشاء اللہ ترجمہ نگاری میں جس جانفشانی سے
کام لیا گیا ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے ۔ غلام جیلانی نے جہاں کہیں کسی واقعہ کی تائید و
تصدیق میں وضاحت کی ضرورت محسوس کی تو حاشیہ قائم کر کے قرآن و حدیث سے
استدلال بھی کیا ۔موقع کی مناسبت کے پیش نظر فارسی، اردو اور سرائیکی ادب سے خوب
صورت اشعار لا کر ذوقِ ادب کا ثبوت پیش کیا، جس سے اربابِ محبّت یقیناً محظوظ ہوں گے
۔ دلی دعا ہے کہ قادر و قیوم کتاب ہذا کو نفع بخش بنائے اور مترجم موصوف کے قلم میں وسعتیں
اور برکتیں عطا فرمائے ۔ آمین والحمد للہ رب العالمین

محمد عبد الغفور غوثوی

سادات کالونی علی پور

تقریظ جلیل

غریب المدرسین استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام حسین صاحب نقشبندی، استاذ شعبہ حدیث جامعہ خیر المعاد قاسم باغ قلعہ کہنہ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم و آلہ و اصحابہ اجمعین .

آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل علم و عمل کا ذوق عروج پر تھا۔ بیشہ تحقیق شیر مردوں سے معمور تھا۔صوفیاء و مشائخ کے ہاں بھی چراغ روحانیت روشن تھے۔اس دور میں عام افادہ اور استفادہ کا ذریعہ عربی اور فارسی زبان تھی۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا دینی اور روحانی سرمایہ عربی یا فارسی میں موجود ہے۔''خیرالاذکار فی مناقب الابرار'' بھی اسی دور کی ایک حسین یاد ہے۔اس کے مصنف بہت بڑے فاضل، عارف باللہ شخصیت ہیں۔قلمی دنیا میں آپ محمد گھلوی کے نام سے معروف ہیں۔مدارس عربیہ میں فارسی نصاب کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔کریمائے سعدی سے لے کر سکندر نامہ تک اور اس کے علاوہ بھی بعض کتب صوفیاء پر آپ کی شروحات موجود ہیں۔سکندر نامہ اور یوسف زلیخا پر مولانا گھلوی کی شروح بندہ کی نظر سے گزری ہیں۔آپ قطب العارفین خواجہ نور محمد نارو والہ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔اپنے مرشد کے زیر سایہ آسودۂ خواب ہیں۔

الحمد للہ بندہ کو دو بار حاجی پور شریف میں آپکے مرشد کے دربار گوہر بار پر حاضری نصیب ہوئی۔تسکین قلب اور روحانی لذت پائی۔ساتھ ہی علامہ گھلوی کی مزار پر بھی یہی

کیفیت تھی۔

''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' تین بزرگوں کے حالات پہ مشتمل ہے۔اصل فارسی متن عرصہ دراز سے کتب ملفوظات کے ڈھیر میں دب کے رہ گیا، بایں وجہ اہل علم اس کے فوائد و برکات سے محرومیت کے شکار رہے۔اس کتاب کے اردو ترجمہ اور نشر و اشاعت کی سعادت مولانا غلام جیلانی زیدہ مجدہ کے حصے میں آئی۔استفادہ عام کے لئے علامہ جیلانی نے بہت عمدہ اور عام فہم ترجمہ فرمایا ہے۔علامہ جیلانی کے قلم سے ایک نایاب تحفہ کا ترجمہ یقیناً یہ ان بزرگوں کا حسن انتخاب ہے۔

واضح رہے، کہ مولانا غلام جیلانی صاحب ایک صالح عالم دین ہیں علمی ذوق وافر رکھتے ہیں۔علمی و روحانی شخصیات کے ہمہ وقت طالب رہتے ہیں۔جنوبی پنجاب کے پس ماندہ دیہاتی علاقہ مولانا نور محمد کہتر سیائے والہ کے نزدیک علم کا چراغ جلائے ہوئے ہیں۔علاوہ ازیں متعدد رسائل کے تراجم آپ نے کیئے ہیں۔۔۔۔۔

بندہ عاجز سے بھی علامہ جیلانی کا عرصہ دراز سے تعلق ہے۔جب بھی تشریف لاتے ہیں علمی گفتگو اور بزرگوں کا ذکر خیر ضرور ہوتا ہے۔

میری دعا ہے اللہ مجدہ علامہ جیلانی صاحب کو مزید خدمت دین کی توفیق دے۔

(آمین ثم آمین)

بندہ عاجز

غلام حسین غفرلہ

۱۹ اپریل ۲۰۱۶ء

تقریظ جمیل

حاوی اصول وفروع حضرت علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری ،شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی کتب بنیادی طور پر عربی یا فارسی میں ہیں۔جن سے استفادہ دوسری زبانوں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ان کتب کو دوسری زبانوں میں منتقل نہ کیا جائے۔اس لئے اردوخوان طبقہ کے لئے اکابر کے لٹریچر کو اردو ترجمہ کے ساتھ منظر عام پر لانا بہت بڑی دینی خدمت ہے۔زیر نظر کتاب مسمی ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' جو تین اکابر اولیاء کرام کے تذکرہ پر مشتمل ہے اوراس کے مصنف حضرت مولانا محمد بن غلام محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے بڑی محبت وعقیدت سے ان اکابر کے مناقب کو جمع کیا۔

حضرت علامہ غلام جیلانی چاچڑ نقشبندی مدظلہ ملت اسلامیہ کے عظیم محسن ہیں جنہوں نے ان خوشبوؤں کو طالبان حق کے قریب کیا۔راقم نے کتاب کے چیدہ چیدہ حصوں کا مطالعہ کیا۔علامہ مترجم نے نہایت خوش اسلوبی سے فارسی کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔اللہ تعالےٰ حضرت علامہ مدظلہ کو اس کی برکتیں عطا فرمائے اوراس کتاب مستطاب کے افادہ واستفادہ کو عام فرما کر قاری کی ان بزرگان دین سے عقیدت کو مستحکم فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

خادم الحدیث جامعہ ہجویریہ

دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ، بدھ/ ۲۱ مارچ ۲۰۱۶

تقریظ جلیل

صاحب تصانیف کثیرہ، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام حسن قادری،
مفتی جامعہ دار العلوم حزب الاحناف لاہور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا سید ی یا رسول اللہ ، الصلوۃ والسلام
علیک یا سیدی یا حبیب اللہ

حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی، شیخ المشائخ حضرت خواجہ نور محمد ثانی اور حضرت حافظ محمد سلطان پوری رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین کے حالات پہ مشتمل کتاب مستطاب ''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' جو کہ تصنیف لطیف ہے حضرت مولانا محمد بن غلام محمد گھلوی علیہ الرحمۃ کی۔ چونکہ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ برادر عزیز حضرت مولانا غلام جیلانی چاچڑ نقشبندی صاحب زید مجدہ نے نہایت ہی عام فہم اور سلیس انداز میں فرمایا ہے۔ اس دور میں جبکہ فارسی پڑھنے پڑھانے والے لوگ خال خال ملتے ہیں۔ حضرت مولانا موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے نہایت ہی جاندار الفاظ میں ترجمہ کر کے اہل علم، عاشقان اولیاء کرام بالخصوص سلسلہ عالیہ کے برادران طریقت پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

میں نے چیدہ چیدہ مقامات سے ترجمہ کو اصل متن کے ساتھ ملا کر دیکھا ہے۔
ماشاءاللہ مصنف کے مقاصد کے مطابق پایا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔
یقیناً ایک نایاب تحفہ ہے جس کی علمی حلقوں میں قدر کی جانی چاہیے تا کہ مترجم موصوف

کی حوصلہ افزائی ہو اور ان کی ہمت بڑھے جس کے نتیجے میں مزید اس طرح کے کام جو کہ قحط الرجال کی وجہ سے تعطّل کا شکار ہیں ان کو منظر عام پہ لانے کا جذبہ پیدا ہوا اور بزرگوں کی محنت کے فیض کو عام کیا جاسکے۔

اللہ تعالے برادر عزیز مترجم محترم کی اس کاوش کو اپنے دربار میں شرف قبول عطا فرما کر ہم سب کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ افضل الصلوۃ واکمل التسلیم یارب العالمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

دعا گو و طالب دعا

غلام حسن قادری

دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

تقریظ جلیل

خوشبوئے شرف حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد ممتاز احمد سدیدی صاحب

فرزند ارجمند و جانشین شرف ملت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ،

فاضل جامعہ الازہر شریف مصر، استاذ منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے ولی کیسے عظیم لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالی کی رضا کے لئے اللہ کی مخلوق میں بغیر کسی تفریق کے محبتوں، شفقتوں اور خوشیوں کی خیرات دونوں ہاتھوں سے بانٹتے ہیں۔ وہ بکھرے ہوئے اور شکستہ خاطر لوگوں کی غمخواری کرتے ہیں تو معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو حقیقی ماں باپ سے بڑھ کر شفقتوں سے نوازتے ہیں، ان قدسی نفوس حضرات کی بارگاہوں میں روتے ہوئے آنے والے اپنے دامنوں میں خوشیوں کے پھول بھر کے لے جاتے ہیں، ان حضرات کے تذکرے پڑھتے ہوئے بھی قلبی رقت، روحانی سکون اور ایمانی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

تین عظیم بزرگوں کے روحانی، عرفانی اور اخلاقی تبرکات پر مشتمل کتاب "خیرالاذکار فی مناقب الابرار" اہل اللہ کے تذکروں میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ صوفیائے کرام علم وعرفان کا نور بانٹتے ہوئے اپنی ظاہری حیات میں خدمت خلق کو اپنا اہم ترین معمول بنائے رہتے ہیں۔ جبکہ دنیا سے ان حضرات کی رحلت کے بعد بھی مخلوق خدا ان حضرات کے مزارات پر حاضر ہوتی ہے تو حاضرین کو راحت، سکون اور اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں رب کی یاد اور اسی کے ذکر وفکر میں مشغول رہنے والے اولیاء کے مزارات پر حاضر ہونے والوں کو بھی اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور فکر آخرت کی توفیق ملتی ہے۔

شیخ المشائخ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیوض سے پنجاب کی سرزمین نے

خوب پیاس بجھائی، اللہ کریم ہمیں دنیا، برزخ اور آخرت میں صالحین سے محبت اور نسبت کی برکتیں اور بہاریں نصیب فرمائے، نیز فانی زندگی کے شب وروز میں ہمیں بھی وہ حاصل زیست لمحات عطا فرمائے جب ہم لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی اللہ تعالے کے ذکر وفکر میں یوں مصروف ہوں کہ ہم انجمن میں بھی خلوت نشین ہوں، دنیاوی کام کاج اور معاشی امور میں مشغولیت کے باوجود ہمارے دلوں کی دھڑکنیں نہایت خاموشی اور وارفتگی کے عالم میں اپنے رب سے مشغول مناجات ہوں۔ اللہ والوں سے نسبت کے طفیل رب کریم سے قلبی مناجات کی یہ نعمت حاصل ہو جائے تو زندگی کو تابندگی نصیب ہو جاتی ہے۔ ورنہ دولت کے انبار اور جہاں بھی کی نعمتیں میسر ہونے کے باوجود بندگی کے بغیر گزرتی ہوئی زندگی فقط شرمندگی کہلاتی ہے۔

پیش نظر کتاب مولانا محمد بن غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں لکھی تھی، جسے جامعہ انوار العلوم ملتان کے فاضل مولانا غلام جیلانی چاچڑ نقشبندی مدظلہ العالی نے نہایت محبت اور خوبصورتی سے اردو کے سانچے میں ڈھالا، کتاب کے اردو ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مترجم اچھی نثر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، علاوہ ازیں ان کا شعری ذوق بھی عمدہ ہے۔ جا بجا خوبصورت اشعار کا استعمال قارئین کے ذوق کو جلا بخشنے والا ہے۔ مولانا غلام جیلانی صاحب نے دیہات میں رہتے ہوئے نہ صرف اپنے ادبی ذوق کو تازہ رکھا ہے بلکہ اردو خوان طبقے کے لئے ''خیرالاذکار فی مناقب الابرار'' کا اردو ترجمہ فرمایا ہے۔ اللہ کریم آپ کی اسی عظیم کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آج اگر والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالی بقید حیات ہوتے تو فاضل مترجم مولانا غلام جیلانی صاحب کی اس کاوش کو دیکھ کر خوش ہوتے اور انہیں دعاؤں سے نوازتے، کریم مالک مولانا غلام جیلانی مدظلہ العالی کے علم، قلم اور گھرانے میں ڈھیروں برکتیں عطا فرمائے۔

ممتاز احمد سدیدی

۱۲ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ بمطابق ۲۰ اپریل ۲۰۱۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوۡرَ وَخَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوۡرَتِہٖ فَصَارَ مِرۡاٰۃً لِّکَمَالِ الظُّھُوۡرِ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الۡمُخۡتَارِ سَیِّدِ الۡاَبۡرَارِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الۡاَطۡھَارِ وَاَصۡحَابِہِ الۡاَخۡیَارِ ثُمَّ الرِّضۡوَانُ وَ الرَّحۡمَۃُ عَلٰی اَوۡلِیَائِہِ الۡکِرَامِ الَّذِیۡنَ اَخۡرَجُوۡا عَوَامَ النَّاسِ عَنۡ ظُلُمَاتِ الۡاَوۡھَامِ وَاَدۡخَلُوۡاھُمۡ فِیۡ دَارِ السُّرُوۡرِ وَالۡشَّرَابِ اَعۡنِیۡ الۡقُرۡبَ وَالۡوُصُوۡلَ اِلٰی (جَنَابِ) رَبِّ الۡاَرۡبَابِ

ساری تعریفیں اس ذات پاک ہی کے لیے جس نے اندھیروں اور اجالوں کو پیدا کیا اور آدم علیہ السّلام کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا اور وہ کمالِ ظہور کا آئینہ قرار پائے اور درود وسلام نازل ہوں نبی مختار سید الابرار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر آپ کے واسطے وسیلے سے آپ کی آلِ اطہار اور آپ کے اصحابِ اخیار پر، پھر اللہ تعالیٰ ان مقدس نفوس سے راضی ہو اور اس کی رحمت ہو اولیائے کرام پر، جنھوں نے لوگوں کو اوہام کے (گھپ) اندھیروں سے نکال کر انھیں رب العالمین کی بارگاہِ عالیہ تک پہنچایا۔

امابعد۔حمد وصلوۃ کے بعد بندہ گنہگار، خاکپائے درویشاں، شکستہ دلوں کی گردِراہ، اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمت کا اُمیدوار، محمد بن غلام محمد جو کہ ہادی فرقۂ طلاب، شمس العارفین، قطب السالکین، غلام رحمتہ للعالمین، محو انوارِ واحدیت، مستغرق بحار احدیت، محبوب ربانی، مظہر اسرار یزدانی، حضرت قبلہ خواجہ نور محمد ثانی رضی اللہ (تعالیٰ)

عنہ [وارضاہ] وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے) کے حلقہ بگوش غلاموں میں سے ایک غلام عرض پرداز ہے:

خوش بخت مرید

امام العارفین، سلطان الزاہدین حضرت خواجہ فریدالدین گنجِ شکر مسعود پاک پتنی (رضی اللہ عنہ) کے ملفوظات میں مرقوم ہے۔

کہ اس مرید باصفا کی خوش قسمتی کا کیا کہنا، جو مرید اپنے شیخِ کریم کی زبان سے جو کچھ بھی سنتا ہے، اسے ضبطِ تحریر میں لے آتا ہے۔ روزِ قیامت ایک ایک حرف کے بدلے ہزار سالہ عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوگا اور مرید کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبان کی محبّت میں اپنی عمرِ عزیز قربان کر دے، کیونکہ جس قدر دل میں اولیائے کرام کی محبّت زیادہ ہوتی ہے بارگاہِ کبریا میں اسی قدر قرب زیادہ ملتا ہے اور اس بندے کو اگرچہ حضراتِ مشائخ عظام کی صحبت سے حظِ وافر نصیب نہیں ہو سکا، صرف کبھی کبھار اس نعمتِ عظمیٰ سے فیض یاب ہوتا رہا ہے اور یہ بھی کہ ان کی زبانِ دُرفشاں سے بہت زیادہ کلماتِ متبرکہ نہیں سن سکا، مگر پھر بھی بتقاضائے (عند ذکر الصالحین تَنْزِلُ الرحمة)، یعنی صالحین وکاملین کے ذکرِ پاک کے وقت رحمتیں، برکتیں اور سعادتیں اُترتی ہیں۔

ان مقدس نفوس سے فائدے کی چند وہ باتیں جو خود سننے کی سعادت حاصل ہوئی اور اکثر منقولہ فوائد اپنے دوستوں سے اس رسالے میں جمع کیے تاکہ روزِ قیامت مجھ جیسے عاصی گنہگار کے لیے ذریعۂ نجات ٹھہریں اور دیکھنے پڑھنے والوں کے لیے یہی

رسالہ محبّت بڑھنے کا وسیلہ قرار پائے اور اس رسالے کو ”خیر الاذکار فی مناقب الابرار “ کا نام دیا ہے اور اسے میں نے تین فصلوں میں ترتیب دیا ہے۔

پہلی فصل : حضرت شیخ المشائخ، غیاث العاشقین، سند الواصلین، مطلع انوار الصمد، منبعِ اسرار الاحد، قبلۂ عالم و عالمیاں، کعبۂ اہلِ ذوق و عرفان حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں۔ آپ ہم محتاجوں کے قبلہ (و کعبہ حضرت خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ) کے شیخ اور امام ہیں۔

دوسری فصل : حضرت شیخ المشائخ، قطب الطریقت، فرد الحقیقت، حضرت خواجہ نور محمد ثانی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے۔ آپ اس بندہ گنہگار کے لیے قبلۂ کونین (دونوں جہانوں کے قبلہ) اور شفیعِ دارین (دونوں جہانوں میں سفارش فرمانے والے) ہیں۔

تیسری فصل : میدانِ عشقِ حقیقی و مجازی کے مردِ جانباز، حافظ محمد سلطان پوری رضی اللہ عنہ (المعروف) حضرت حافظ صاحب کے مناقب میں ہے۔

بے غرض محبّتیں

میرے قبلہ حضرت خواجہ نور محمد ثانی کے حسبِ حکم، حضرت حافظ صاحب کا درجہ میرے لیے شیخِ صحبت کا سا رہا، کیونکہ میرے (شیخ) قبلہ رضی اللہ عنہ مجھے فرمایا کرتے تھے: ”کبھی کبھی حافظ صاحب کی خدمت میں شرفِ ملاقات اور فیضِ زیارت کے حصول کے لیے جایا کرو۔“ اور یہ بندہ اپنے شیخ کے حسبِ ارشاد کچھ وقت کے لیے حضرت حافظ صاحب کی بارگاہِ عالیہ میں جایا کرتا اور بہت سے فیوض و برکات اُن کی

ذاتِ عالیہ سے سمیٹ لیا کرتا تھا۔

حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد قدس سرہ العزیز کے ساتھ حضرت حافظ صاحب کا رابطۂ عشق و محبّت کچھ اس قدر قوی تھا کہ اکثر اوقات حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں مہار شریف پہنچ جاتے اور بغرضِ استفادہ آپ کی صحبت و رفاقت میں کئی کئی ماہ گزار دیتے، اور میرے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بھی ایسا خلوص اور کمال محبّت رکھتے تھے۔ جب میرے شیخ کریم، حضورِ اعلیٰ یعنی شیخ المشائخ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ سے حاضری کے بعد رخصت پا کر واپس اپنے دولت کدے پر تشریف فرما ہوتے تو حافظ موصوف رضی اللہ عنہ میرے قبلہ (شیخِ مکرم) کی زیارت کے لیے آپ کی بستی خاص (نارووالہ)، جو کہ نالہ قطب واہ کے کنارے واقع ہے، ان سے فیضِ صحبت پانے کے لیے پہنچ جاتے اور کئی ماہ گزار دیتے۔ (اور ادھر) میرے قبلہ ہمیشہ ہی مہار شریف آتے جاتے وقت ایک دو راتیں بصورتِ مہمان حضرت حافظ صاحب کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ چونکہ جانبین سے صدق و محبّت کا رابطہ اور (دنیوی اغراض و مقاصد سے پاک) محبتِ خداوندی، جو کہ حد بیان سے زائد ہے، دیکھنے والوں کو بھی اس کا یقین ہو چکا تھا (اسی وجہ سے) اس رسالے میں قصداً حضراتِ شیخین (قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی اور میرے شیخ کریم) (رضی اللہ تعالی عنہما وادام اللہ تعالیٰ برکاتہم علینا الی یوم القیام آمین یا رب العالمین) (خداوند تعالی ان مقدس نفوس سے راضی ہو اور ہم پر ان کے فیوض و برکات قیامت تک قائم و دائم رکھے، آمین۔ اے پروردگار عالم! ہماری دعاؤں کو شرف اجابت بخش) کے حالات میں حضرت موصوف کے مناقب بیان کرنے کا باعث بھی یہی بات بنی ہے۔

پہلی فصل

شیخ المشائخ، غیاث العاشقین، سند الواصلین، قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں

یہاں پر اولاً بطورِ تبرک حضرت شیخ المشائخ محبّ النبی، محبوبِ رب العالمین، فخر الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ فخر الحق والدین محمد رضی اللہ عنہ کے تین مناقب درج کیے جاتے ہیں:

مائی ہیر کا گھر دیکھنے کا شوق

حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے دوستوں میں سے کامل ذوق وشوق کے حامل میاں آدم مرحوم سے منقول ہے: میں دو تین بار حضورِ انور مولانا قبلہ رضی اللہ عنہ کے شرفِ زیارت اور فیضِ صحبت کے لیے دہلی شریف حاضر ہوا اور آپ کی بارگاہ میں اقامت گزیں رہا۔ جب بھی کسی راگی (کلاسیکی موسیقی کا ماہر) سے ہیر رانجھے کا خیال نامی راگ (نغمہ، قصہ) سنتے، چونکہ یہ عشقِ مجازی حقیقت تک رسائی کے لیے نمونہ ہے اور پل کا کام دیتا ہے۔ عشقِ الٰہی کے تلاطم خیز موجوں کے غلبے کی وجہ سے مجھ سے پوچھتے: ''اے فلاں! جھنگ شہر سیال، جو کہ مائی ہیر کا مکانِ خاص ہے، ملتان سے کتنے فاصلے پر واقع ہے؟'' میں عرض کرتا: حضور! تقریباً چالیس یا پچاس کوس (تین ہزار گز کی لمبائی) کی مسافت پر واقع ہو سکتا ہے۔ ہر بار استفسار پر میری طرف سے جواب سن کر زبانِ دُرفشاں سے یوں فرماتے: اے فلاں! مائی ہیر کا گھر دیکھنے کا شوق میرے دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔ بشرطِ زندگی مشیّتِ خداوندی نے مدد فرمائی تو (کم از کم

ایک بار) اس جگہ پر ضرور جاؤں گا۔ میاں آدم کہتا رہتا تھا کہ حضور کی یہ تمنا اور آرزو ہیر رانجھا کے راگ کا اثر تھا، جو کہ محض سننے سے دل میں پیدا ہوا کرتا تھا۔

دلوں کے جاسوس

شیخ العالمین، قطب العارفین، سند المقربین خواجۂ بزرگ حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عرش مقام کے علی بخش شاہ نامی ایک خادم تھے۔ انھوں نے محب النبی حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے احوالِ کریمہ اور اخلاقِ جمیلہ کے متعلق دو مناقب بیان فرمائے ہیں:

﴿۱﴾ انھوں نے فرمایا: کہ میں بچپن میں اپنے والدِ بزرگوار سید ظفر علی شاہ کی معیت میں دہلی شریف حضرت مولانا صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں ایک دوبار زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ ایک مرتبہ میں اپنے والدِ گرامی کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا۔ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز اس کمالِ عقیدت و محبت کی بدولت، جو کہ حضرت سیدنا خواجۂ بزرگ کے ساتھ رکھتے تھے، از راہِ کرم و کرامت میرے والدِ گرامی سے میرے تحصیلِ علم کے احوال اور میرے زیرِ مطالعہ کتاب سے متعلق دریافت کرنے لگے۔ والدِ محترم نے پوری صورتِ حال بیان کر دی اور چونکہ ''بہارستانِ جامی'' میری پسندیدہ کتاب تھی، آپ نے اسے میرے لیے بہت تلاش کیا مگر نہ پا سکے۔ فرمانے لگے: ہمارا کتب خانہ تمھاری ملکیت ہے، مگر کیا کیا جائے، ''بہارستان'' ہمارے پاس موجود نہیں، جو کہ ہم پیش کر سکیں۔ ان شاء اللہ دوسری بار جب تشریف آوری ہو گی تو ضرور پیش کی جائے گی اور اس سفر میں حضرت خواجہ معین

الدین چشتی رحمۃ اللہ کے غلاموں میں سے ایک خادم حقہ پینے والا بھی ساتھ تھا۔

ایک دن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین اور معتقدین میں سے ایک دولت مند آدمی بغرضِ زیارت مدرسہ شریف میں آیا۔اس امیر آدمی کی نظر اس حقہ باز پر پڑی کہ حقہ پی رہا ہے۔اس کے دل میں خیال گزرا کہ یہ یادِ خدا اور علمِ حدیث وفقہ پڑھنے کی جگہ ہے۔یہ شخص کیسی بے ادبی کر رہا ہے کہ اس پاکیزہ جگہ پر حقے کے کش لگا رہا ہے۔

جب حضرت مولانا کے دیدارِ فیضِ آثار کے لیے پہنچا تو حضورِ والا نے فوراً اس سے روئے مبارک پھیر لیا اور دوسری جانب متوجہ ہو گئے۔وہ امیر بھانپ گیا۔دوسری طرف سے سامنے آیا، مگر حضورِ والا نے پھر بھی اعراض فرمایا۔علی ھذا القیاس، چند مرتبہ ایسے ہی ہوتا رہا۔آخر وہ دولت مند ایسی حالت کو دیکھ کر بہت زیادہ حیران و پریشان ہو کر حضورِ اعلیٰ کی بارگاہ سے واپس مدرسہ میں حضرت والا کے غلامان اور دوستوں کے آگے روتا پیٹتا، آہیں بھرتا ہوا آیا اور صورتِ حال بیان کی، کہ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کی وہ کمالِ شفقت ورحمت جو اس بندے پر ہوا کرتی تھی، آج وہ پہلی سی التفات وعنایات نہیں۔آج حضور نے مجھ سے روئے زیبا پھیرا ہوا ہے۔ہر چند کہ میں ادب ونیاز کی ساری رسموں کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔پھر بھی مجھ سے مکمل طور پر روگردانی فرمائی ہے۔دوستوں نے پوچھا کہ شاید تجھ سے کسی قسم کی کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہو؟ وہ بولا: ”معاذ اللہ“ خدا کی پناہ کہ ایسی بڑی بارگاہ میں کسی قسم کی بے ادبی وگستاخی کا مرتکب ہوا ہوں۔

القصہ تمام دوستوں نے اسے متوجہ کیا کہ یقیناً تجھ سے کوئی ایسی غلطی واقع ہو گئی ہے ، جو کہ شفقتِ دائمی کے زوال کا سبب بن چکی ہے۔اس دولت مند نے اپنے من میں جھانکا کہ حضورِ عالی کے غلاموں کے متعلق مجھ سے کوئی ایسا ناپسندیدہ کام صادر تو نہیں ہوا؟ کافی

غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مدرسہ شریفہ میں داخل ہوتے ہی میری نظر ایک چلم کش کے حال پر پڑی، جسے میں نے حقہ پیتے ہی دل میں یہ خیال کیا کہ اتنے مقدس مقام پر یہ کارِ بدعت، یعنی حقہ نوشی کر رہا ہے، یقیناً کمال بے ادبی ہے۔

دوستوں نے کہا: بالکل تجھ سے یہی خطا ہوئی ہے۔ دوستوں میں سے ایک دوست (از راہِ خیر خواہی) حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور! مدرسے میں موجود فلاں شخص اپنے کیے پر اشک ندامت بہا رہا ہے۔ اس کی کوتاہی معاف فرما دیجیے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: اس نے ہماری کوئی گستاخی کی ہی نہیں کہ ہم اسے بخش دیں۔ اپنی غلطی کی معافی اس سے مانگے، جس کے حق میں اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ پھر دوست اسے پکڑ کر اس چلم کش خادم کے پاس لے گئے اور عرض گزار ہوئے، کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ خادم حیران ہو کر بولا کہ میں تو اس شخص کو بالکل جانتا ہی نہیں۔ اس کی غلطی میرے حق میں کیسے ہو سکتی ہے؟ بالآخر اس امیر شخص کے دل کا خیال دوستوں نے اس خادم کے سامنے بیان کیا اور بولے کہ آں جناب والا (رضی اللہ عنہ) اسی وجہ سے اس پر کبیدۂ خاطر اور ناراض ہوئے ہیں۔ آپ خود ہی حضور کی خدمت میں جا کر اس کی خطا معاف فرما دیجیے۔ چنانچہ وہ خادم ہمراہ احباب حضرت مولانا کے حضور پیش ہوا اور عرض کی: قبلہ! میں نے اسے معاف فرما دیا، آپ بھی خدا کے لیے رحم فرمائیے اور پہلی سی شفقت بحال فرما دیجیے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو نے اس کی تقصیر و خطا کو مفت معاف فرما دیا، یا اس سے کوئی چیز نذرانہ میں لی ہے؟ خادم بولا: نہیں حضور! اسے مفت میں معاف نہیں کیا بلکہ اس نے مجھے کچھ نقدی بھی پیش کی۔ مسکراتے ہوئے فرمایا: ایسے مالدار آدمی سے اس قدر تھوڑی سی رقم لے کر تم کیوں کر راضی ہوئے؟ اس سے تو سینکڑوں روپے لیے جاتے، تب ایسی خطا لائقِ معافی ٹھہرتی۔

میاں علی بخش شاہ صاحب نے فرمایا: کہ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس قدر پختہ اور کمال درجے کی نیاز مندی رکھتے تھے کہ آپ کی خانقاہِ عالیہ کے ایک خادم سے متعلق دل کے خیالِ فاسد کو بھی بے ادبی پر محمول کرتے ہوئے ناجائز و ناروا جانا۔

[بندگانِ خاص علام الغیوب
در جہانِ جاں جواسیس القلوب [1] (رومی)

بے باک پا منہ بہ ادب گاہِ فقیر
خوابیدہ است شیر نیستانِ بوریا [2] (مرزا عبدالقادر بیدل)]

شیخ مرائی اور مولانا کی ضیافتِ طبع

﴿۲﴾ منقبت دوم: ایک مرتبہ میں (علی بخش شاہ) اپنے والدِ محترم کے ساتھ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک شخص بنام شیخ مرائی (ریا کار شیخ) اجمیر شریف اور اس کے گرد و نواح کا باشندہ تھا، وہاں کے لوگ اس کے بہت عقیدت مند تھے۔ اس لئے کہ وہ کھانے پینے سے کنارہ کش رہتا تھا، مگر ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ایک جانور کا دودھ پی ڈالا اس وجہ سے لوگ اسے ''دھدادھاری'' کے نام پکارنے لگے۔ اتفاق سے وہ شیخ دھدادھاری دہلی شریف پہنچ گیا اور میرے والدِ گرامی حضرت سید ظفر علی شاہ سے حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے شرفِ دیدار کی آرزو

---

[1] ''علام الغیوب (ذاتِ باری) کے خاص بندے عالمِ روحانیت میں دلوں کے جاسوس ہیں۔''

[2] '' اے آنے والے! فقیر کی ادب گاہوں میں بے باکانہ قدم نہ رکھ کیونکہ بوریا کے نیستان کا شیر محوِ خواب ہے۔''
(مترجم)

ظاہر کی۔ میرے والدِ گرامی اسے اپنی رفاقت میں حضرتِ والا کی بارگاہ میں لائے اور انھیں شرفِ زیارت سے باریاب فرمایا اور پھر اس کی تعریف میں یوں گویا ہوئے: حضور! یہ مرد بہت زاہد و پارسا ہے۔ جانوروں کے دودھ کے سوا دیگر اشیائے خوردنی پھل فروٹ وغیرہ سے کچھ بھی نہیں کھایا کرتا۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ بات سنتے رہے مگر خاموش رہے کہ اسی وقت ایک شخص نے ایک بڑا تربوز موسم کے مطابق آپ کی خدمتِ عالیہ میں بطورِ نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے خود ہی اسے چاقو سے کاٹا اور اسے کئی ٹکڑے کیا۔ پھر حاضرین میں خود ہی تقسیم کیا۔ دورانِ تقسیم ایک ٹکڑا اس شخص ''دھدا دھاری'' کو بھی عطا فرمایا۔ جب اس شیخ مرائی نے حضرتِ والا کے حسبِ ارشاد عالی تربوز کا ٹکڑا تناول کیا، پھر جلد ہی وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مدرسے کے باہر اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور مسلسل زور سے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور کہنے لگا: ''مجھے بھوک کی آگ نے اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ میں مرتا ہوں۔'' دوستوں نے حضورِ عالی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آنکھوں دیکھا حال عرض کیا: حضور! ''فلاں فقیر بھوک کی آگ میں اس قدر گرفتار ہے کہ بے چارہ بھوک کے ہاتھوں بے اختیار فریاد کر رہا ہے۔'' اسی وقت اتفاقاً ایک شخص کثیر افراد کی کفایت کرنے والے تین چار عدد ''نان روغنی'' (پراٹھے) بطورِ نذرانہ لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بنفسِ نفیس فرمایا: اس (بیچارے) کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ کھا سکے۔ حضرت مولانا رضی اللہ عنہ اس معاملہ پر تبسّم کناں تھے۔ میرے والدِ گرامی ظفر علی شاہ واپس بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قبلہ حضور! وہ فقیر اس قدر طعام کھانے کے بعد بھی آتشِ جوع سے اس قدر نڈھال ہے کہ مٹی پر لیٹا ہوا ہے اور بے قرار ہو کر کہہ رہا ہے: '' ہم مرتے ہوں

آگ لگا ہے۔'' یعنی مجھ میں بھوک کی آگ بڑھ گئی ہے۔ میں اس بھوک کی وجہ سے مر رہا ہوں۔ حضرتِ والا یہ بات سن کر خوب ہنستے رہے یہاں تک کہ رومال اپنے چہرۂ مبارک پر رکھ لیا۔ حد سے زیادہ ہنسنے کی وجہ سے سر مبارک نیچے کر لیا۔ خوب ہنستے ہوئے میرے والد گرامی سے یوں فرمانے لگے: ''اے ظفر علی! تو نے تو مجھے کہا کہ یہ مرد دھد ادھاری ہے، یعنی فقط دودھ پینے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ کھانے کی اشیا سے پرہیز کرتا ہے، اب اسے کیا ہو گیا ہے کہ اس قدر زیادہ طعام کھانے کے باوجود بھی اس کی بھوک کی آگ سرد نہیں ہو رہی بلکہ اور بڑھ رہی ہے۔ پھر میرے والدِ گرامی نے اس مصیبت سے نجات کے لیے حضرت کی بارگاہ میں مکمّل نیازمندی سے درخواست کی کہ بے چارہ جان بلب ہے۔ حضور! اپنے سر کا صدقہ اسے اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ حضرت قبلہ وہی کلمہ بار بار دہراتے رہے کہ ظفر علی شاہ! ''تُو تو کہتا رہتا تھا کہ یہ شخص ''اَن'' نہیں کھاتا مگر اب اسے کیا ہو گیا ہے کہ ایک بھاری بھر کم غلہ کھانے کے باوجود، سیر نہیں ہو رہا۔''

اس دوران ایک شخص نے حضور اعلیٰ کی بارگاہ میں بریانی کی ایک قاب (تھال) بطورِ نذرانہ پیش کی۔ آپ نے فرمایا: یہ بھی اُس شخص تک پہنچائیے، تاکہ بے چارہ دوزخِ شکم بھر سکے۔ پھر کیا ہونا تھا اُس مردِ مرائی (مردِ ریاکار) کو آتشِ غیبی لاحق ہو چکی تھی۔ عقل وخرد اور ہوش باقی نہ تھا۔ اس قاب سے بہت سا طعام دونوں ہاتھوں کے ذریعے اٹھا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔ قاب میں موجود طعام، جو ایک بڑی جماعت کے لیے کافی تھا، اکیلا کھا گیا۔ مگر حیرت ہے کہ اس کی آتشِ جوع (بھوک والی آگ) پہلے سے بھی اور بڑھ گئی۔ وہ زمین پر لیٹے ہوئے کہہ رہا تھا کہ ''ہم مرتے ہوں'' آخر کار دیگر دوست احباب میرے والدِ مکرم کی ہمراہی میں حضور اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے۔اس مردِ فقیر درویش کی زبوں حالی بیان کی۔آنحضرت قبلہ رضی اللہ عنہ اُسی طرح خوب ہنستے رہے اور بار بار فرماتے رہے: کہ ظفر علی! تُو تو کہتا تھا کہ یہ شخص کسی قسم کا طعام ہرگز نہیں کھاتا۔

القصہ خوش طبعی اور بہت زیادہ ہنسنے کے بعد آپ نے کسی چیز کے چند دانوں پر کچھ دم فرمایا اور میرے والدِ مکرم کو حکم دیا کہ جاؤ اُسے کھلا لو، تا کہ اسے تسکین حاصل ہو۔

اس قصے کے ناقل علی بخش شاہ ہیں۔کہتے ہیں: کہ حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ آفتابِ شریعت اور ماہتابِ طریقت ہونے کے باوجود) ایک خوش طبع انسان تھے اور اس مرد سے جو کچھ سرزد ہوا، آپ نے خرقِ عادت کے طور پر محال بنا کر دکھایا، تا کہ لوگ اس کے متعلق جو اعتقادِ فاسد رکھتے تھے، اس کی حقیقت عیاں ہو جائے۔

[یہ ریا کاری ہے کہ ظاہر ہو کچھ باطن ہو کچھ

تن کے تو اجلے ہیں لیکن من کے وہ اجلے نہیں

(حادثۂ وفا تحسین سبائیوالوی)]

احوال و آثار قبلۂ عالم و عالمیاں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ

اب ہم اپنے اصل مدعا، یعنی حضور قبلۂ عالم کے مناقب فوائد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ڈیرہ غازی خاں میں سکونت پذیر ذوالمجد والمواہب (مولانا) عبداللہ خاں (چانڈیہ) آپ میرے قبلہ خواجہ نور محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔انھوں نے ازراہِ کرم ایک دن اپنے مکان پر اس بندہ کو (درج ذیل واقعہ) یوں بیان فرمایا: میں (عبداللہ خاں) اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی

خدمتِ اقدس میں مہار شریف میں زیارت سے مُشرف ہوا۔ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ
گاہے بگاہے خود بخود ہمارے قبلہ (مرشد کریم) قدس سرہ کا ذکر چھیڑ دیتے۔

ایک دن برسرِ مجلسِ عام یہ مبارک الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے صادر ہوئے کہ
میاں صاحب (یعنی ہمارے قبلہ خواجہ نور محمد ثانی) کے ساتھ ہماری نسبت ایسی ہی ہے
جیسی حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) کی نسبت حضرت خواجہ
نصیر الدین چراغ دہلوی کے ساتھ تھی۔ یہ بندہ عرض گزار ہوا: کہ حضرت سلطان
المشائخ رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت خواجہ نصیر الدین کے ساتھ کس طرح تھی؟ آپ
از راہِ کرم بیان فرمادیں تو حاضرینِ مجلس اچھی طرح جان لیں گے۔ پھر خود ہی زبانِ
دُرفشاں سے یوں الفاظ ترتیب پائے۔

شاہ نارووالہ کا مقام قبلۂ عالم کی نظر میں

مقتدائے اہلِ عرفان، شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہرونی قدس سرہ کو الہامِ
الٰہی سے معلوم ہوا کہ سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ کے درمیان تمہارے دوستوں اور مریدوں
میں ایک ایسا شخص بھی پیدا ہوگا، جن کا وجودِ مسعود سلسلۂ عالیہ کے اولین و آخرین سب
کے لیے فوز و فلاح اور نجات کا سبب ہوگا۔ پھر ان علامات کی نشاندہی فرمائی کہ اس
شخص پر اس قسم کی استغراقی حالت وارد ہوگی۔ حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہرونی قدس
سرہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں ایک مدت تک اس صُورت مذکور کے انتظار میں رہے
مگر انھیں اپنے دوستوں اور مریدوں میں ایسی صفات کا حامل کوئی شخص نظر نہ آیا۔ پھر
آپ نے سند المقربین، قطب المشائخ خواجہ معین الدین اجمیری کو وصیت فرمائی کہ
اپنے دوستوں میں سے کسی میں بھی یہ علامات پاؤ تو پھر اس (قابلِ صد فخر) انسان

سے تمام وابستگانِ سلسلہ کے حق میں حسنِ خاتمہ اور دُعائے خیر کی درخواست کرنا۔
حضرت خواجۂ بزرگ غریب نواز کی ذاتِ گرامی کو اپنی مدتِ حیات میں ایسی صورت والا کوئی بھی آدمی نہ مل سکا۔ پھر آپ نے اپنے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار (کاکی) اوشی قدس سرہ کو بھی یہی وصیت فرمائی، مگر وہ بھی درج بالا صفات کا حامل شخص نہ پاسکے، یہاں تک کہ یہی وصیت سینہ بہ سینہ حضرت سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) تک پہنچی اور آپ ہمیشہ اس انتظار میں رہا کرتے۔
(شبِ تاریک رخصت ہوئی، بخت کا ستارہ چمکا) ایک دن حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ قدس سرہ حوض میں پاؤں مبارک لٹکائے بیٹھے تھے۔ (زہے نصیب) کہ آپ پر اس حالتِ استغراق میں وہی علامات وارد ہوئیں، (جو مشائخِ چشت بیان کرتے چلے آرہے تھے۔) حُسنِ اتفاق حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ ایک راہ سے گزرتے ہوئے اسی حوض پر جا پہنچے اور وہ علامات من وعن حضرت خواجہ نصیر الدین میں موجود پائیں۔ آپ اگرچہ اس وقت حوض کے دوسرے کنارہ پر تھے ،مگر اس قدر سرعت وعجلت اختیار فرمائی کہ کپڑوں سمیت حوض میں کود پڑے اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ کے پاؤں پکڑ لیے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین استغراقی حالت سے جب ہوش میں آئے اور اپنے پیرو دستگیر کو ایسی حالت میں دیکھتے ہی حیران و پریشان اور غمگین سے ہوگئے اور پاؤں کھینچنے لگے،
مگر حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا: ''یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا ، بلکہ ہمیں حضراتِ خواجگان رضی اللہ عنہم سے مسلسل وصیت ہوتی چلی آرہی ہے۔ آپ جب تک اس سلسلۂ عالیہ میں اول شخص سے لے کر قیامت تک داخل ہونے والوں کے حق میں حسنِ خاتمہ، نجاتِ اُخروی اور رضائے خداوندی کے حصول کی دُعا نہ

فرمائیں گے، ہم آپ کے پاؤں نہ چھوڑیں گے۔"

حضرت خواجہ نصیرالدین قدس سرہ، اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی کے حسبِ حکم ایسی حالتِ سعید میں دعا گو ہوئے اور اس سلسلے کے متوسلین کو بے حساب امیدِ بخشش ارزانی ہوئی۔ یہاں تک مذکورہ نسبت کا بیان ہے اور حضرت عبداللہ خاں (چانڈیہ بلوچ) فرمایا کرتے: کہ اس واقعہ سے مُرید کی ترجیہ شیخ پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہمارے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) کی عجب شان تھی اور جوہرِ لطیف کا کیا کہنا کہ خود آپ کے شیخِ کریم اُن کی ذات کی طرف اپنی نسبت کس دلپذیر صورت سے بیان فرما رہے ہیں۔ اس بندے (محمد گھلوی) نے اس واقعہ کو لوگوں کی زبانی سنا ہوا تھا، مگر اب حضرت خان صاحب (جو عینی و سمعی گواہ) سے بذاتِ خود سن کر دل کو مزید تسلّی و تشفی ہوئی۔ الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً (ساری تعریفیں اس ذات پاک کو ہی زیبا ہیں۔ اس کرم پر مزید حمدِ کثیر بجالاتا ہوں۔)

مولانا گھلوی، مزارِ شیخ پر

دراصل: درگاہِ خواجگانِ چشت اہلِ بہشت کا یہ بندہ، حضرت نور محمد ثانی قدس سرہ کا غلام، یعنی یہ راقم سطور، حضرت قبلہ کا سانحۂ وصال وقوع پذیر ہونے کے بعد جو اس غلام بلکہ خواجۂ عالی مقام کے جملہ غلامان کے لیے سخت ترین حادثہ تھا۔ سرزمین حاجی پور، جس کی آغوش میں اس خواجۂ نازنین کو رکھا گیا، لشکر شاہی کے گزرنے کی وجہ سے راہ مسدود تھی۔ چھٹے روز حضور سراپا نور کی بارگاہ میں پہنچا، آہ و فریاد کرتے ہوئے مزارِ فیض آثار کی پائنتی کی جانب سرِ نیاز جھکا دیا۔

دل کو سکوں نہیں ہے مری جاں ترے بغیر
آجا کہ زندگی ہے پریشاں ترے بغیر

تم کیا گئے کہ لٹ گیا سامان زندگی

ہم ہو گئے ہیں بے سروساماں ترے بغیر

آجا کہ بجھ چلے ہیں تمناؤں کے دیئے

سینے میں دفن ہو گئے ارماں ترے بغیر (مترجم)]

چند دن وہاں گزرے، اس دوران مولوی عبداللہ خاں صاحب (بلوچ چانڈیہ) بھی آگئے۔ دور سے گرتے پڑتے بہت مشکل سے مزار شریف کے سرہانے آتے ہی گر گئے اور دیر تک آں جناب والا رضی اللہ عنہ کے نزدیک دم بخود لیٹے رہے۔ چند دنوں بعد حضرت مولانا جامی کے عقیدے کے مطابق:

چہ باشد زاں بتر بر عاشق زار

کہ بے دلدار بیند جائے دلدار

''یعنی ایک دل جلے عاشق کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا قیامت خیز گھڑیاں ہو سکتی ہیں کہ وہ جلوۂ دوست سے محروم ہو کر صرف جائے دلدار کو تکتا رہ جائے۔''

[یہاں پر حضرتِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل شعر خوب رہے گا۔

چو غریب دردمندے بدرت رسیدہ باشد

چہ قدر تپیدہ باشد چو تُرا نہ دیدہ باشد[1] (مترجم)]

اضطراب و بے قراری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر حضور اعلیٰ قطب الاقطاب، غیاث العاشقین حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ (دادا پیر)

[1] ترجمہ: ''اے محبوب! جب کوئی دردمند مسافر سفر کی صدہا تکلیفیں اور صعوبتیں جھیلنے کے بعد تیرے درِ فیض پر پہنچ کر بھی تیرے کعبۂ رخ کی زیارت سے محروم رہے تو پھر ایسے عاشقِ نامراد کے دل پر کیا قیامت گزرتی ہوگی۔''

نہ ماہی نہ رنگ منجھیندی　　جھوک اجاڑ دے تھمیں ڈیہندی

بیلہ　تھیا　ویران　　(مترجم)

کی بارگاہ میں حاضری کے خیال سے اپنے شیخ کریم حضور قبلہ صاحب مزار سے
رخصت لیتے ہوئے اپنے گھر واپس آیا۔

گھلوی صاحب قبلۂ عالم کے حضور

ایک دو راتیں گزارنے کے بعد ایک دوست کی رفاقت میں مہار شریف روانہ ہوا۔ جب بندہ حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے آستانِ ذی شان کے بالمقابل حضور کی مسجد مبارک کے دروازہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور حسبِ معمول دن میں ایک مرتبہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں، جبکہ اس وقت اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما تھے۔ یہ غلام مسجد شریف کے دروازے پر محوِ انتظار رہا۔ یکا یک ایک روشن آفتاب برجِ امید سے طلوع ہوا، یہ غلام قدموں پہ گر پڑا۔ شانِ بندہ نوازی تو دیکھیے کہ اپنے مبارک ہاتھوں سے غلام بے دام کو اٹھا کر بغل گیری کا شرف بخشا، پھر وہاں سے اپنے مکان خاص بالا خانہ کی طرف عروج فرمایا۔ اور یہ بندہ بھی آپ کے پیچھے قدم بہ قدم چلتا رہا۔ جلوس فرمانے کے بعد بطریقِ استفہام نہیں بلکہ بطورِ دلجوئی فرمایا: حاجی پور سے آئے ہو۔ بندہ اشکبار آنکھوں سے عرض گزار ہوا: جی ہاں حضور اور بے اختیار میری زبان پہ یہ الفاظ آ گئے ''ہم بدنصیبوں کے سر سے سایۂ ابدی اٹھ گیا'' حضور نے غمزدہ ہو کر فرمایا: ''حکمِ الٰہی یوں ہی تھا۔''

انھیں دنوں میرے قبلہ حضور کے غلاموں میں سے تونسہ شریف کے رہنے والے، حاجی پور (شریف) کے راستے سے حضرت (شاہ) محمد سلیمان خان (طال عمرہم و فیضہم) (ان کی عمر دراز ہو اور ان کا فیض عام رہے) کی معیت میں پہنچ گئے۔

وہ میرے قبلہ حضور کے درد جدائی میں آہ وفغاں کر رہے تھے۔ ان کے رونے کی آواز حضور قبلۂ عالم کے نفیس کانوں تک پہنچی، مگر چونکہ آپ کی بارگاہ میں صبر اور چپ رہنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ کیونکہ رونے دھونے والا کوئی بھی امر آپ کے پسندیدہ خاطر نہ تھا، اس لیے ہر شخص نے دل تھام کر صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔

ستائیس جمادی الثانی کو محبّ النبی محبوبِ رب العالمین، فخر الاسلام والمسلمین حضرت مولانا (فخر جہاں دہلوی) قدس سرہ کا عرس مبارک ہوا کرتا ہے۔ بندہ ان دنوں تک حضورِ عالی میں استفادۂ انوار و برکات کے لیے حاضر رہا۔ حضور قبلۂ عالم سے غلامانہ تعلق اور محبّت و خلوص کا سلسلہ دن بدن بڑھتا اور قوی تر ہوتا گیا۔ حضور قبلۂ ابرار کے رخسارِ نورانی کا مشاہدہ ہی اس ذرۂ بے مقدار کے قرار و سکون کا مرکز و محور تھا۔ نماز ظہر اور عصر کی تیاری اور حضور قبلۂ عالم کے بالا خانے سے اتر کر صحنِ مسجد میں تشریف آوری کے لیے محوِ انتظار رہا۔

[ہر لمحہ اک صدی ہے تیرے انتظار کا
ظالم نہ وقت کاٹے کٹتا دکھائی دے

(تحسین سبائے والوی، (مترجم)]

کرامتِ قبلۂ عالم

ایک دن نمازِ عصر کی جماعت میں بہت سے لوگ حاضر ہو گئے اور مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھر گئی اور نماز کا وقت (مستحب) اخیر تک جا پہنچا۔ یہ بندہ آخری صف میں حضورِ والا کے انتظار میں کھڑا رہا، تا کہ آپ جونہی تشریف لائیں اس بندے کی جگہ

پر نماز پڑھ سکیں اور یہ غلام (بے دام) جوتیوں والی جگہ پر کپڑا اچھا کر نماز ادا کرلے گا۔ تکبیر کہہ دی گئی اور لوگ نماز پڑھنے لگے۔ آخر تکبیر اولیٰ کے چھوٹ جانے کے خوف سے میں بھی نماز میں مشغول ہو گیا۔

مجھے پیچھے سے حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی زبانِ دُرفشاں سے یہ آواز سنائی دی:
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ [1] یہ اس لیے کہ مسجد میں تمام نمازیوں کی پنڈلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ محض یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنی جگہ سے ہٹنا چاہا، تاکہ حضور اس جگہ نماز پڑھ سکیں، مگر حضور قدس سرہ سرعت اور عجلت کے ساتھ آگے بڑھے۔ مجھے اپنے بازو سے روک لیا، تاکہ بندہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ (قادر قیوم ذات کی قدرت کا عجب تماشا دیکھا کہ) جگہ خود بخود فراخ اور کشادہ ہوتی گئی کہ حضور دادا شیخِ کریم اور اس بندہ (مسکین) دونوں نے بڑی آسودگی سے نماز ادا کی، یقیناً یہ سب حضرتِ والا کی کرامت تھی۔

نواب غازی الدین کی فی البدیہہ نظم سنجی

نواب غازی الدین ہندوستانی، جو اپنے ملکِ ہندوستان سے حوادثاتِ زمانہ کے باعث یہاں آئے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی ذاتِ گرامی کو اپنے لیے ملجاو ماویٰ بنالیا اور آپ کے انوارِ جمال کے مشاہدے سے محظوظ ہوئے۔

ایک مرتبہ میں نے اُن کی خدمت میں التماس کیا کہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کے اسمائے گرامی مجھے منظوم طریقے پر قلمبند کردیں۔ نواب صاحب نے فوراً نمازِ عصر

---

[1] ترجمہ: اور (موت کے وقت) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ (پارہ ۲۹، سورۃ قیامہ)
(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن از امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ المنان)

کے بعد سلسلۂ عالیہ کے مشائخ عظام کے اسمائے طیبہ نظم کی لڑی میں پرو دیئے اور میرے پاس مسجد میں بھجوا دیئے اور پھر وہی شخص حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض گزار ہوا: کسی مولوی صاحب نے نواب صاحب سے سلسلۂ عالیہ کو منظوم جامہ پہنانے کی درخواست کی ہے؟ اور وہ اس تک پہنچ بھی چکا ہے۔ بالآخر واقفِ حال شخص نے خبر دی کہ طلب گار فلاں شخص ہے اور بندہ (محمد گھلوی) کو حضرتِ اعلیٰ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں لے گئے۔

مؤلفِ کتاب بغرضِ استفادہ قبلۂ عالم کے حضور

میں سلسلۂ منظومہ ہاتھ میں لیے عرض گزار ہوا: قبلہ! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ ازراہِ کرم مجھے جوابِ باصواب سے مستفید فرمائیں۔

حضرتِ والا (ازراہِ تواضع) یوں لب کشا ہوئے: "ہم فلسفیانہ باریک بینی نہیں جانتے۔"

غلام عرض گزار ہوا: خیر (یعنی تندرستی اور بھلائی آپ کا مقدر بنے) حضور! یہ بندہ شعری باریکیاں نہیں پوچھنا چاہتا، بلکہ سلسلہ شریف میں بعض مشائخ کے القاب حروف وحرکات اور وجوہِ مناسبات (لفظوں کے باہمی تعلق کے اسباب) میں جو کچھ شک وشبہ وارد ہے، اس کا ازالہ مقصود ہے۔ حضورِ والا متوجہ ہوئے اور فرمایا: "جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے، پوچھ لے۔" بندہ اولاً خواجہ قدوۃ الدین فرسنافۃ الچشتی قدس سرہ کے لقب کے متعلق عرض گزار ہوا: کہ (مولانا) عبدالغفور (لاری) رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی "نفحات الانس" کے حاشیے میں لفظ "فَرَسنافہ" کی یوں (فا اول پر زبر، را پر زبر، سین مہملہ (غیر منقوط، یعنی جس پر نقطہ نہ ہو) پر جزم اور نون استادہ (یعنی کھڑا) اور آخر میں فا، تحقیق فرمائی ہے، جبکہ بعض دوست اس لفظ کو کچھ اور طرح سے

پڑھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: جی ہاں! "عبدالغفور (مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور شاگرد) نے ایسے ہی لکھا ہے، جبکہ مجھے حضرت مولانا صاحب قبلہ قدس سرہ سے یوں سند پہنچی ہے (فَرِشْتَافَہ) فاء پر زبر را مہملہ کی زیر شین مُعجمہ (نقطہ والا حرف) ساکن اور تائے فوقانیہ (بالائی) مثنات اور آخر میں فا ہے اور کچھ لوگ اس ضبط اعراب کے آخر میں فا کو قاف سے بدل کر بھی پڑھتے ہیں یعنی (فَرِشْتَاقَہ)، مگر میرے نزدیک وہی تلفّظ مرغوب ومحبوب اور پسندیدہ تر ہے، جو میرے شیخ حضرت مولانا نے بیان فرمادیا ہے۔ یہ بندہ اسی دن سے اسم مبارک "فرشتافہ" کو اسی تلفّظ سے پڑھتا ہے اور لفظ "دِینَوری" حضرت خواجہ ممشاد کا لقب ہے۔ "دال" مہملہ کی زیر اور "نون" پر زبر ہے، جبکہ دال پر زبر اور نون پر پیش، یعنی دَینُوری درست نہیں۔

اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان کے لقب کے بارے میں عرض کیا: کہ "ہارونی" میں را پر پیش پڑھا جائے۔ فرمایا: نہیں، بلکہ "را" اور "واؤ" دونوں پر زبر ہی پڑھی جائے اس لیے کہ "ہارَوَن" حضرت خواجہ عثمان کی جائے پیدائش ہے، جو کہ ملکِ عراق میں نیشاپور کے گردونواح میں واقع ہے۔" (یادرہے کہ) اسے 'را' کے پیش اور 'واؤ ساکن کے ساتھ پڑھنا غلط العوام ہے۔

منتخب اللغات میں ہے کہ "سنجر" ایک شہر کا نام ہے، جو سلطان سنجر کی جائے ولادت ہے، "موصل" سے تین دن کی راہ پر واقع ہے۔ مشائخِ کرام کے ملفوظات میں آیا ہے کہ "سنجار" عراق کا ایک قصبہ ہے، جو بغداد سے سات دن کی مسافت پر واقع ہے۔ "سنجری" اسی سے منسوب ہے۔ حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی حضرت سید حسن کا وطن ہے۔ اس کے بعد "وکیل الباب" کی

حقیقت کے بارے سوال کیا تو فرمایا: اس لفظ کا معنی عام فہم ہے، مشکل نہیں۔

اَی وَکیلُ بابِ العلمِ والمعرفۃِو بابِ الرحمۃِ و بابِ الجنۃِ بل وکیلُ بابِ جمیعِ الفیوضاتِ.

یعنی (۱)۔۔باب علم ومعرفت کے وکیل (۲)۔۔باب جنت ورحمت کے وکیل، بلکہ تمام تر فیوضات وبرکات کے وکیل۔

''اُوشی'' ہمزہ کے پیش کے ساتھ، شہر ''اوش'' کی طرف منسوب ہے، جو حضرت قطب الاسلام خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے سکونت ہے۔ یہ ملک ماوراء النہر میں ہے۔ معتبر رسائل میں ایسے ہی آیا ہے۔ ''کاکی'' اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے حکم پر بوقت ضرورت اہل خانہ اور مہمانوں کیے لیے پہاڑ سے ایک خاص جگہ سے گرم گرم روٹیاں لایا کرتیں اور آپ رضی اللہ عنہ انھیں کھلاتے۔

اور ''کاک'' میدے کی گرم وباریک عمدہ روٹی (جو تنور پہ پکائی جاتی ہے) کو کہتے ہیں اور بختیار آپ کا اصلی نام یا تعریفی لقب ہے۔ اس کے بعد لفظ ''اجودھن'' اور ''شکر بار'' کے متعلّق پوچھا تو فرمایا: ''اجودھن'' دراصل پاک پتن کا نام ہے۔ حضرت سیدنا بابا فرید گنج شکر کا مزار پُر انوار وہاں ہے۔ اہل اللہ اور پاک طینت لوگوں کی آمدو رفت کا مرکز رہا ہے اس لیے اجودھن سے پاک پتن (پتن پاکاں) مشہور ہوا۔ کتب ملفوظات میں لفظِ شکر بار، گنج شکر اور شکر گنج میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

(عارف باللہ) مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بھانجے مولانا عبدالغفور لاری لکھتے ہیں: سات دن گزر گئے، مگر آپ (بابا فرید) نے کچھ بھی نہ کھایا پیا۔ کمال فاقہ اور شدتِ بھوک کی حالت میں حضرت قطب الاسلام قدس سرہ کی خدمتِ عالیہ میں چل دیے۔ لکڑی سے بنے جوتے پہنے ہوئے تھے، اچانک پاؤں پھسلے اور زمین پر گر پڑے اور زبانِ دُرفشاں سے اللہ، اللہ، اللہ کا کلمہ جاری ہو گیا۔ تھوڑی سی مٹی منہ میں جا

پہنچی۔ (قدرتِ الٰہی سے) وہ ساری مٹی شکر بن گئی۔ وہاں سے اٹھ کر جب خدمتِ شیخ میں پہنچے، مرشدِ کریم سیدنا قطب الدین قدس سرہ فرمانے لگے:

"اے فرید الدین مسعود! یہ تھوڑی سی مٹی، جو تیرے منہ میں پہنچ کر شکر بن گئی۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ تیرے وجود کو گنجِ شکر بنادے اور تم ہمیشہ کے لیے شیریں و شکر رہو۔" حضرت خواجہ فرید الدین قدس سرہ آداب و تسلیمات بجالائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد آپ شیخ کریم کی بارگاہ سے اُٹھے اور جہاں بھی گئے، لوگوں کو یہ کہتے سنا: "وہ دیکھو حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج تشریف لارہے ہیں" اور لفظ "بَداوَن" باپر زبر، واؤ پر پیش ہے۔ ہندوستان میں واقع ایک شہر کا نام ہے اور لفظ "اَوُدَھ" ہمزہ اور دال پر زبر۔ دہلی کے قریب ایک بستی ہے۔ چراغ دہلی نام رکھنے کی بہت وجوہات ہیں اور مشہور ترین قول کے مطابق جب کبھی تیل کی کمی کے باعث چراغ بجھنے کے قریب ہوتا تو حضرت اپنے خادمین کو حکم فرماتے: "تیل نہیں ہے تو پھر پانی ڈال دو"۔ پھر وہ پانی سے بھرا چراغ تیل کی طرح روشن ہوتا۔ نیز روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ نے (از راہ کرم) آپ کی ذاتِ گرامی کو چراغ کہہ دیا۔ اس بنا پر کہ چراغ کی پیٹھ ہوتی ہے نہ منہ، بلکہ اس کا پورا وجود ہی رخ ہوتا ہے۔ [1]

توجہ فرمائیے: خواجہ مودود چشتی حضرت خواجہ ابو یوسف کے فرزندِ ارجمند ہیں اور وہ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کے بھانجے ہیں اور وہ خواجہ ابو احمد کے فرزند ہیں اور حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی سلسلہ (عالیہ) چشت (اہلِ بہشت) کے سب سے پہلے بزرگ ہیں۔ وطن شریف ملکِ شام ہے۔

---

[1] ["گفتہ او گفتہ اللہ بود" کے مصداق زبان شیخ سے نکلا ہو یہ دلپذیر لفظ حضرت والا کے نام نامی کا انوٹ حصہ بن گیا۔ آج جب بھی کوئی شخص آپ کا ذکرِ خیر قرطاس و قلم یا زبان و بیان کی زینت بناتا ہے تو خواجہ نصیر الدین کے ساتھ چراغ دہلوی کا لفظ ضرور استعمال کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے انھیں زبانِ شیخ کی برکت سے امتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی طرح کے درجہ و مرتبہ پر فائز فرمادیا۔]

(مترجم)

جب میں حضراتِ مشائخ عظام کے اسمائے گرامی کی لفظی تحقیق سے فارغ ہوا، حضور نے القاب واسماء کی شرح کے اختتام پر خود ہی فرمایا: کہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہ، حضرت شیخ محمد رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ یہ نعمت فرزندِ ارجمند کے حصے میں نہ تھی، اس لیے پوتے کو ملی اور شیخ محمد، شیخ حسن محمد کے بیٹے ہیں۔ شیخ حسن محمد، شیخ جمال الدین اور شیخ محمود رشتہ دار ہیں۔

توجہ فرمائیے: حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی) سے لے کر حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہ تک تمام مشائخِ چشت سادات حسینی بخاری ہیں۔ حضرت سیدنا شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اور نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہ دونوں بزرگ قریشی ہاشمی ہیں اور شیخ سراج الحق والدین سے لے کر شیخ مظہر اللہ التام الصمد شیخ محمد قدس سرہ تک ان تمام حضرات کے مزارات گجرات جنوبی میں ہیں۔

مؤلف خیرالاذکار کی بارگاہِ قبلۂ عالم میں پہلی حاضری

اصل: بندے نے پہلی بار جب اپنے کعبہ حضرت خواجہ نور محمد ثانی رضی اللہ عنہ کی معیت میں سرزمینِ مہار شریف کی طرف سفر کیا، حضرت سیدنا قبلۂ عالم وعالمیاں کعبۂ جہاں وجہانیاں قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوا، اُن دنوں بندے کو بخار اور الٹی کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔

میرے قبلہ اکثر اوقات اپنے غلاموں اور دوستوں کو تاکید فرماتے رہتے: کہ تمھیں اس آدمی کی رضا اور دل جوئی کے لیے ہر وقت سرگرم رہنا چاہیے اور حضور خود بھی وقتاً فوقتاً اس غلام کی طبیعت کے متعلق پوچھتے رہتے۔ دل میں خیال آیا کہ میں تو حضور قبلۂ عالم قدس سرہ اور اپنے قبلہ حضور کی خدمت اور حصولِ سعادت کے حوالے سے یہاں آیا تھا، مگر اب تو عارضۂ بخار کی وجہ سے مقصد ہی بدل چکا ہے۔ میرے قبلہ کی فیض بار قلبی توجہ ہر اعتبار سے میری طرف رہتی ہے، ہر وقت میرا حال پوچھنے کی زحمت فرماتے رہتے ہیں۔ اب تو کام ہی الٹ ہو گیا ہے، میری وجہ سے

میرے قبلہ کے قیمتی اوقات ضائع ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے دل تنگ ہو گیا۔ میں نے حضرت حافظ محمد سلطان پوری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ساری صورتِ حال بیان کی۔ اور کہا کہ اب تو میرے لئے سعادت کی صورت یہی ہے کہ میں حضورِ والا سے اجازت لے کر اپنے گھر واپس چلا جاؤں۔ اگر مقدر نے یاوری کی اور بخت کا ستارا چمکا تو پھر کسی دوسرے وقت ان دونوں بزرگوں کی شرفِ صحبت اور فیضِ زیارت سے مُشرف ہوں گا۔ حضرت حافظ صاحب بولے:

''مشورہ خوب اور بات بالکل درست ہے۔''

القصہ: میں اپنے اس ارادے میں پختہ ہو کر بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوا۔ عرض کی: حضور! اپنے غلامِ بے دام کو اس وقت رخصت عنایت فرمائیے، تاکہ میری وجہ سے آپ کے اوقاتِ شریفہ ضائع نہ ہوں۔ آں جنابِ والا نے فرمایا: اگر ملالِ دل اسی تکلیف اور مرض کے سبب ہے تو یہاں اچھے حکماء موجود ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے ادویات کے لیے روپے پیسے کی کمی نہیں، علاج معالجہ کرانا چاہیے اور اگر تجھے یہ خیال دامن گیر ہے کہ خویش اقارب سے دور پڑا ہوں۔ مبادا یہاں موت آجائے تو کیا ہوگا؟

قدموں میں تیرے جینا مرنا

(تو سن لے) اس (متبرک اور قابلِ رشک) مقام پر مرنے کے لیے ہم حضور کے تمام غلام دل و جاں سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ایسا ہی کرم فرمائے کہ حضور قبلۂ عالم و عالمیاں کے سامنے زندگی کی شام ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی۔

[یوں مجھ کو موت آئے تو کیا پوچھنا مرا
میں خاک پر، نگاہ درِ یار کی طرف

(ذوقِ نعت، مترجم)

تیرے قدموں پر سر ہو اور تارِ زندگی ٹوٹے

یہی انجام الفت ہے، یہی مرنے کا حاصل ہے]

اور اگر تیری پریشانی کا سبب اہل و عیال ہیں کہ گھر میں ان کے راشن کا انتظام کم ہے تو تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ حاجی پور میں (فقیر) کے وابستگان اپنے پرائے بے شمار ہیں، ان کے لیے صرف پانچ، چھے صاع (ایک صاع 4 کلو میں سے ایک سو ساٹھ گرام کم کا ہوتا ہے) غلہ چھوڑ آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فضلِ عمیم ہے وہ اپنے بندگان کے رزق کا خود ہی بہترین کفیل ہے۔ یہ ذمہ داری میری ہے نہ تیری، (شیخِ کریم کی زبانِ مبارک سے) یہ کافی شافی جواب سن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ کچھ بھی کہنے کی جسارت نہ کر سکا۔ پھر یہ ساری حقیقت حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں جا کر بیان کر دی۔ عزمِ سابق منسوخ کرتے ہوئے حضورِ عالی، حضرت قبلہ خود اور حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اور زیارت کے حصول کو مقدم جانا۔ عارضۂ بخار کو برداشت کیا اور دل میں ٹھان لی کچھ بھی ہو جائے اب یہاں سے قدم نہ ہٹاؤں گا، خصوصاً وطن واپسی کے ارادے کو دل سے نکال پھینکا۔

مگر پہلے سے بھی زیادہ قوی تر ایک اور واقعہ، مغرب کے بعد قریبِ عشاء پیش آیا۔ وہ یہ کہ حضور قبلۂ عالم، کعبۂ معظّم قدس سرہ قضائے حاجت کے ارادے سے اپنے مکان سے نکلے اور اپنے ایک خادم کے ہمراہ اس مکان میں رونق افزا ہوئے، جہاں میں بیٹھا تھا۔ بندہ تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا۔ حضور از راہِ بندہ نوازی خود ہی اس غلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ بندے نے عرض کیا: نیاز مند اپنے پیر دستگیر (خواجہ نور محمد ثانی) کی معیت میں حضور کی بارگاہِ عالیہ میں فیض اور دارین کی سعادتیں سمیٹنے کے لیے حاضر ہوا تھا، (مگر افسوس) اب عارضۂ بخار کی وجہ سے دل پُر ملال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ (میرے پیر روشن ضمیر) مجھے رخصت عطا فرمائیں۔ حضور قبلۂ عالم

فرمانے لگے: ''اس علاقے کی آب وہوا جنوبی دوستوں کے لیے مخالف پڑ رہی ہے، غم نہ کیجیے ،علاج کے لیے اچھے حکماء موجود ہیں۔ علاج معالجہ کیا جاسکتا ہے۔''
مگر ہائے افسوس !مجھ پر نفسِ شریر طالب اور شیطانِ رجیم غالب ہو گیا تھا۔ گستاخی کرتے ہوئے پھر کہہ دیا: حضور! بہت زیادہ پریشان ہوں۔
فرمایا: ''خیر'' صبح تمھاری مرضی کے مطابق انتظام کر دیا جائے گا۔ پھر آپ وہاں سے اپنی نشست گاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور میں شرمندہ ہو کر اپنی جگہ پر واپس لوٹ آیا۔ حضرت خواجہ کے ایک غلام میرے یارِ غار اور دوستِ غمگسار میاں محمد یار مہار، جو کہ میرے پیر بھائی اور ہم سبق تھے۔ انھیں میرے ساتھ قبلہ حضور سے شرحِ لمعاتِ مولانا جامی پڑھنے اور سننے کا شرف حاصل ہوا تھا، وہ اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے ۔ بعد ازاں انھوں نے ملامت کی کہ تو نے حضور قبلۂ عالم کی بارگاہ میں کس قدر گستاخی کر دی کہ حضورِ اعلیٰ کی مرضی کے خلاف جسارت ،اس پر مستزاد یہ کہ واپسی کے لیے دوسری بار پھر رخصت کی عرضی پیش کر دی۔ میں شرمندہ و نادم ہوا ۔تمام رات اضطراب، حزن وملال میں کٹی۔ رات کے آخری حصے میں خوابِ غفلت نے مجھ پر ایسی گرفت کی ،نمازِ فجر کے لیے میرے لیے اٹھنا مشکل ہو گیا۔ وضو بنانے کے لیے باہر نکلا ۔کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلۂ دارین و شفیع دارین میرے مرشدِ کریم اپنے حجرۂ شریفہ کے دروازے سے باہر وضو فرما رہے ہیں ۔ یہ صورت آنکھوں سے ملاحظہ فرمانے سے میرے دل کو ایک گونہ تسلی نصیب ہوئی کہ حضورِ والا کی اقتداء میں نماز کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔

مولانا گھلوی دو شیروں کے درمیان

میں وضو کرنے کے بعد مسجد شریف کی طرف روانہ ہوا۔ اسی دوران آفتابِ عالم

تاب حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے طلوعِ انوار سے دیدۂ دل کو روشن کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے مکانِ خاص سے مسجد مبارک کی طرف تشریف لا رہے ہیں اور اس دوران حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ ان حضرات نے سنتِ فجر ادا کی اور جماعت فرمائی۔ حافظ صاحب امام مقرر ہوئے۔ حضور قبلۂ عالم اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے اقتداء کی۔ صف بناتے وقت حضور قبلۂ عالم نے ازراہِ کرم بندے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے درمیان کھڑا کر لیا۔ اس وقت اس کمزور و ناتواں کی حالت بھیڑ بکری کے اس بچے کی طرح تھی، جو دو شیروں کے درمیان ظالم بھیڑیا کے خوف سے بے فکر اور بے خوف سا ہو کر بالکل مطمئن کھڑا ہوتا ہے۔

نماز سے فراغت کے بعد حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ اپنے مکانِ خاص میں تشریف فرما ہوئے۔ میرے پیر و مرشد حضرت حافظ صاحب سے فرمانے لگے: کہ جب حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ ورد، وظائف اور نوافل سے فارغ ہو جائیں اور اپنے حجرۂ مبارکہ میں جلوہ افروز ہوں۔ بندے (محمد گھلوی) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: اسے کسی جانے والے کے ہمراہ حضور سے اجازت لے کر وطن واپسی بھیج دینا چاہیے۔ پھر حضور عالی جناب بھی اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ مشفقِ محترم حافظ صاحب میرے ساتھ نمازِ اشراق کے وقت تک صحن (مسجد) میں بیٹھے رہے اور اس حقیقت کا یوں اظہار فرمانے لگے:

"ہم نے تو تیرے شیخ مکرم کی خدمتِ عالیہ میں وطن واپسی کے حوالے سے بطریق احسن عرض کر دیا ہے اور آپ نے بھی میرے مشورے کو پسند فرمایا ہے۔"

آخر کار اوراد و ظائف سے فراغت کے بعد حضرت حافظ صاحب بندے کو حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے درِ اقدس پر لے چلے۔ حجرۂ شریف کا دروازہ ہمارے پہنچنے

سے پہلے ہی کھل چکا تھا۔ دو بزرگ ایک حضور قبلۂ عالم کی مسجد مبارک کے امام مولوی
غلام علی صاحب اور دوسرے حضرت محبّ النبی، محبوب رب العالمین، حضرت مولانا فخر
الدین رضی اللہ عنہ کے رشتہ داروں سے ایک سفید ریش بزرگ حضور کی خدمتِ عالیہ
میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قبلہ حافظ صاحب اور یہ بندہ خدمتِ اقدس میں انوارِ
دیدار سے شاد کام ہوئے۔

ہمارے بیٹھتے ہی حضورِ والا فرمانے لگے: ''گھر تیاری ہے۔'' گزشتہ رات کی شرمِ
گستاخی کی وجہ سے بندے کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ یوں عرض گزار
ہوا: ''خیر، جس میں بندے کی بھلائی ہو، اُسی پر عمل کروں۔'' حضور قبلۂ عالم دریائے
رحمت تھے۔ آپ نے بندے کے حال پر کمالِ شفقت فرمائی۔ تین بار یہ مبارک الفاظ
زبانِ پاک پر بطورِ دعا دہرائے: ''حق تعالی ترا در ایں جہاں و در آن جہاں خوش
دارد''۔ (اللہ تجھے دونوں جہاں میں خوش رکھے)

[ڈھیں دے وات بالکل میں کہیں صورت نئیں آسکدا
قدم چمسن سدا خوشیاں جے سانول دی دعا ہووے (مترجم)]

حضرت حافظ صاحب اور وہ دونوں بزرگ (مولوی غلام علی امام مسجد اور حضرت
فخر جہاں دہلوی کے رشتے دار سفید ریش بزرگ) اور یہ بندہ آمین، آمین کہتے
رہے۔ یہ دعائے فیضِ آثار مجھ گنہگار کے لیے دنیوی و اخروی سعادتوں کا موجب ہے
اور اس بندے نے اس دعا کو اپنے لیے وسیلۂ نجات سمجھ رکھا ہے۔ پھر بطورِ خوش طبعی
فرمانے لگے: ''جاؤ جاؤ، جب تمھیں اپنے وطن کی ہوا پہنچے گی، بخار خود بخود اُتر جائے
گا۔'' اس قدر فرماتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: چلیے! تمھیں میاں صاحب
یعنی میرے قبلہ (حقیقی اور کعبۂ تحقیقی) سے رخصت و اجازت دلوا کر روانہ کروں۔ پس

حضرت حافظ اور بندہ حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلے۔ حضورِ والا میری رخصتی کے لئے میرے قبلہ کے حجرۂ مبارک میں جلوس فرما ہوئے اور اپنا روئے انور میرے قبلہ (نور محمد ثانی) کی طرف کر کے فرمایا: "کیا ہی اچھا اتفاق ہے۔ حافظ صاحب کے کم سن فرزند میاں محمد مسعود کو گھر تک لے جانے کے لیے ان کے ہمراہ بھیج دیا جائے، تا کہ دورانِ سفر تکلیف نہ ہو۔" یہ بندہ اُنھیں گھر تک چھوڑنے کے لیے ساتھ گیا۔

مولانا گھلوی کی وطن واپسی

المختصر۔ بندہ اور محمد مسعود، ان تینوں خداوندانِ نعمت سے (حضور قبلۂ عالم، خواجہ نور محمد ثانی اور حافظ صاحب) سے رخصت لیتے ہوئے واپس وطن لوٹے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی رات گزارنے کا اتفاق ہوا، ہر حوالے سے خوش حال رہے۔ پورے سفر میں ان بزرگوں کی روحانی توجہ اور کرم شاملِ حال رہا۔ اگر اسے میں قلمبند کروں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ "العاقل تکفیہ الاشارۃ" سمجھدار آدمی اشاروں ہی میں بات سمجھ لیتا ہے۔

جب اوچ شریف سے دریائے چناب کو عبور کیا۔ عارضۂ تپ، جو کہ دوران سفر بھی باقی رہا، حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے فرمانِ عالیشان کی برکت سے محض عبور کرتے ہی کچھ اس طرح رفع دفع ہو گیا کہ گویا یہ مرض لاحق ہوا ہی نہیں تھا۔ کم و بیش ایک مہینے کے بعد حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی یہاں پر تشریف آوری ہوئی اور ایک جہاں آپ کی برکات سے فیض یاب ہوا۔ یہ بندہ اوچ شریف کی راہ پر حضور قبلۂ عالم (دادا پیر) اور اپنے پیر و مرشد کے انوار سے مستفیض اور دیدار سے فیض یاب ہوا۔ جس وقت بندہ حضرت قبلۂ عالمؒ کی قدم بوسی سے مُشرف ہوا، آپ استنجا کرنے کی غرض سے لوگوں سے دور گئے ہوئے تھے۔ ازراہِ خوش طبعی فرمانے لگے:

''اُس عارضہ (بخار) سے اب نجات مل گئی؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں حضور! آپ کے حسبِ فرمان جونہی بندے کو ہوائے وطن پہنچی، خیر و عافیت مل گئی۔ (یہ سنتے ہی) بندے سے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ حضورِ عالی کو یہ بات شاید اس لیے ناپسند آئی کہ میں نے آپ کی کرامت اور خرقِ عادت بات (راز) کو فاش کر دیا۔[1]

میرے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) قدس سرہ، دریا عبور کرنے کے بعد کسی وجہ سے راستے میں ٹھہرے اور حضور قبلۂ عالم سے پیچھے رہ گئے۔ حالانکہ دریا عبور کرنے میں سبقت لیے ہوئے تھے۔ آپ جس وقت حضرت قبلۂ عالم کی بارگاہ میں پہنچے، حضور نے ضیافتِ صبح کے طور پر فرمایا: ''میاں صاحب! خود آگے چلے جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ یوں مشغول ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو منزل کی طرف روانہ کر دیتے ہیں۔

مسجد سے چوری کرنا کیسا

اس کے بعد دورانِ سفر یہ ذکر چل پڑا کہ اگر مسجد سے کوئی چیز چرا لی جائے، اس میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ ایک عالم دین بولے: کہ مسجد حفاظت و پاسبانی اور پناہ کی جگہ نہیں، لہٰذا مسجد سے کوئی چیز چرا لی جائے تو چور کے لئے قطع یدّی (حد شرعی یعنی ہاتھ کاٹ لینا) شرعاً لازم نہیں آتی۔ حضور قبلۂ عالم جواب سن کر میرے قبلہ پیر و مرشد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا شرعی مسئلہ ایسے ہی ہے؟

میرے قبلہ عرض گزار ہوئے: جی ہاں حضور۔

حضرت قبلۂ عالم نے فرمایا: بالکل صحیح ہے، مگر ہمارے نزدیک اس کی توجیہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ یہ کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، جس میں خدائی دسترخوان بچھا ہوا ہے۔

---

[1] [ہمارے اسلاف اپنی چھوٹی سی بات ظاہر ہو جانے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ جبکہ آج ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ اس کام کے لیے ہم نے غلاموں کو مقرر کر رکھا ہے تاکہ ان کی زبانی اپنے جھوٹے فضائل و شمائل اور فسانہ ہائے کرامات کا خوب چرچا کیا جائے۔] (مترجم)

چوں غلام آفتابم

نقل: بہت سے معتبر دوستوں سے میں بذاتِ خود سن چکا ہوں کہ ایک دن حضرت قبلۂ عالمؒ کی بارگاہ میں کسی ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! میں نے ایک خواب دیکھا ہے آپ ازراہِ کرم اس کی تعبیر بیان فرمادیں۔ حضور عالی جناب نے فوراً یہ شعر پڑھ دیا:

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم

"میں نہ تو رات ہوں، نہ رات کا پرستار کہ خوابوں کی باتیں کرتا پھروں۔ میں جب آفتابِ (حقیقت و معرفت) کا غلام ہوں، فقط آفتاب ہی کی باتیں کروں گا۔"

[آفتابِ رسالت کی باتیں کرو
ظلمتوں کا جنازہ نکل جائے گا

ان کے چہرے سے گیسو ہٹانے تو دو
روشنی میں جہاں سارا ڈھل جائے گا (مترجم)]

سائل خاموش ہوگیا۔ دوستوں کو عجب ذوق وشوق نصیب ہوا۔ ہمارے مشائخِ چشت کا یہ خاصا ہے کہ (حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے) امور ظاہری سے روگردانی فرماتے ہیں۔

جشن شاہی کا سماں

اصل: حضرت شیخ المشائخ، مظہر وحدۃ وجود، صاحبِ ذوالمجد والمواھب، یعنی حضرت قاضی محمد عاقلؒ، جو کہ ہر وقت مشغول بحق رہتے تھے۔ اس وجودِ مسعود نے

جب اپنے مادر زاد ولی صاحبزادے میاں احمد علی صاحب کی شادی خانہ آبادی کی تقریب منعقد کی تو حضرت قبلۂ عالم و عالمیاں قدس سرہ آپ کے خلفاء اور گردونواح کے علمائے کرام کو شادی کی دعوت دی۔ شادی کیا تھی، جشن شاہی کا سا سماں تھا۔ یہ بندہ (محمد گھلوی) بھی حاضر تھا۔

حُسنِ اتفاق کہ حضرت سیدنا قبلۂ عالمؒ، حضرت قاضی صاحب کے قبلہ گاہ (والدِ گرامی) میاں محمد شریفؒ کے مزار کے نزدیک، صحنِ مسجد کے بیرونی حصے میں جلوہ افروز تھے۔ شادی میں شریک خلقت کا اک ہجوم تھا۔ حضور قبلۂ عالمؒ کے دیدار کے لیے زائرین حدِ شمار سے باہر تھے۔

دیوانہ، پروانہ وار کود پڑا

میں (گھلوی) دور سے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایسے ہجوم و اژدہام میں حضور قبلۂ عالمؒ کے نظارۂ جمال کے لیے کیا جتن کیا جائے۔ خدانخواستہ حضورِ والا کی محفل فیض منزل کو پالینے کے انتظار میں دیوانوں کی طرح ہکا بکا اور حیران و پریشان ہی نہ رہ جاؤں۔ بالآخر یہ تدبیر سوجھی کہ مسجد شریف کا صحن زمین سے قدِ آدم سے بھی ایک دو قدم اونچا ہے۔ حضورِ والا جہاں بھی جلوہ فرما ہوں گے، بآسانی درشن پالوں گا۔

حضرت قبلۂ عالمؒ میرے خیال پر دل سے بلا سبب کچھ یوں مطلع ہوئے کہ قد مبارک اُونچا فرمالیا۔ میری نظر حضور کے روئے انور پر جا پڑی۔

یہ کرم گُستری، بندہ نوازی (اور حضور کی مقناطیسی شخصیت کا اثر تھا کہ بلاتامل) میں پروانہ وار کود پڑا اور اس شیخ انام (پوری دنیا اور موجودات کا شیخ) کے قدموں میں جا گرا۔

[قدموں میں تیرے جینا مرنا   اب دور یہاں سے جانا کیا
(مترجم)]

مولوی احمد دین واعظ کا گستاخانہ انداز

اسی محفل میں وعظ و نصیحت اور فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل مولوی احمد دین واعظ بھی حاضر تھا۔ اُس مولوی صاحب نے ایک دن حضرت قبلۂ عالمؒ کی بارگاہ عالیہ میں بڑی بے باکی سے کہہ دیا کہ غوث الثقلین، محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے کہ "طعام المرید حرام علی الشیخ" (مرید کے گھر کا طعام شیخ کے لیے حرام ہے۔)

حضرت! آپ کس وجہ سے اپنے مریدین کی دعوتیں قبول فرمالیا کرتے ہیں۔

قبلۂ عالم کا دندان شکن جواب

حضرت قبلۂ عالمؒ نے فوراً جواب دیا کہ اِس عالمِ آب و خاک میں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسا کوئی مرید نہیں ہوسکتا اور کوئی بھی شیخِ وقت اور ولی کامل، مشائخ کے سردار حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ جب خواجۂ دو عالم ﷺ اپنے اصحاب کی دعوت قبول فرمالیتے اور بلاتأمل ان کے گھر کا طعام تناول فرماتے، تو ہمارے لیے یہی دلیل کافی وشافی ہے ۔یہ دندان شکن جواب سن کر مولوی صاحب دم بخود رہ گیا اور مجال سخن باقی نہ رہی۔ شادی کی تقریب سے فراغت کے بعد گڑھی اختیار خاں کی طرف سفر کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے دوران سفر روئے زیبا میرے قبلہ گاہ (پیرومرشد نور محمد ثانی) کی طرف کیا اور فرمایا:

"ہم نے ظاہری طور پر تو سائل کے سوال کا جواب دے دیا ہے، مگر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کلام کی تاویل وتوجیہ بھی تو ہونی چاہیے۔ یقیناً اس میں کوئی اور نکتہ پوشیدہ ہے۔"

میرے قبلہ حضور عرض گزار ہوئے: جی ہاں حضور! حضراتِ علماء اور بزرگان جو آپ کی رفاقت میں ہیں، جونہی فرصت کی گھڑیاں میسر ہوں گی حضرتِ شیخ کے مقولہ ہذا پر ضرور تحقیق کریں گے۔

آخر کار کافی غور وخوض، بحث ومباحثہ اور مطالعے کے بعد حضرت قبلۂ عالمؒ کی مرضی کے مطابق اس بات پر اتفاق ہوا، کہ حضرت شیخؒ کے کلام کا معنیٰ ومقصود یہ ہے کہ مرید کو تو کھانا کھانے میں خواہش نفسانی عارض ہوتی ہے اور شیخِ کامل کی ذات تو اس قسم کے عوارض سے پاک وصاف ہوتی ہے۔ اُس کا ہر کام صرف رضائے حق کے لیے ہی ہوتا ہے، بلکہ وہاں پر تو فاعل ذاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے اور بندہ تو صرف آلۂ کار ہوتا ہے۔

[شیخ فعال است بے آلہ چوں حق
با مریداں دادہ بے گفتش سبق [1]

دو مبیں و دو مداں و دو مخواں
خواجہ را در خواجۂ خود محو داں [2]

گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را
گر جدا بینی زحق تو خواجہ را [3]]

(نتیجہ یہ نکلتا ہے) کہ خواہشِ نفسانی کے لیے شیخ کا کھانا کھانا حرام ہے، بلکہ اس کا کھانا پینا صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان "کلوواشربوا" کی تعمیل کے لیے ہوتا ہے اور شیخ کے لیے خواہشِ نفسانی کی بنا پر کھانا پینا تنزلی (مقامِ ولایت سے گِر کر نیچے آجانے)

---

[1] یعنی (شیخ کام کرنے والا ہے، بغیر ہتھیار کے حق کی طرح۔ مریدوں کو بغیر گفتگو کے سبق پڑھاتا ہے)

[2] ترجمہ: (حق اور شیخ کو دو نہ سمجھ، دو نہ جان اور دو نہ کہہ۔ مرشد کو ذات حق میں محو جان)

[3] ترجمہ: (متن اور دیباچہ دونوں کو گم کر بیٹھے گا اگر تم نے حق سے مرشد کو جدا سمجھا) (مترجم)

کا سبب ہے۔اور یہ ایک سالک کا منصب تنزلی نہیں ، بلکہ مقامات میں ترقی پانا ہوتا ہے۔یہ مشہور بات ہے، جسے میں بزرگوں اور اکابرین کی زبانی سن چکا ہوں۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ (میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بجالاتا ہوں۔)

دوسری فصل

حضرت قبلہ شیخ المشائخ خواجہ نور محمد ثانیؒ کے

(اوصاف و) مناقب کے بیان میں

اس فصل میں تبرکاً اور تیمّناً حضورِ والا قدس سرہ کے چند مکتوباتِ شریفہ کو احاطۂ تحریر میں لاتا ہوں، جو آپ نے ازراہِ بندہ نوازی اپنے اس غلام کے نام ارقام فرمائے تھے۔ حضور مرشدِ کریم نے بہت سے خطوط میرے نام تحریر فرمائے تھے۔اُن میں سے بعض خطوط مجھ سے گم ہو گئے، جو کچھ موجود ہیں انھیں سلکِ تحریر میں پرو دیا جاتا ہے (تا کہ یہ بکھرے موتی جمع ہو جائیں۔)

مکتوب گرامی نمبر ا:

فضائل و کمالات مرتبت ،فصاحت و بلاغت منزلت ،مجمعِ مکارمِ اخلاق ،منبعِ محاسن و اشفاق ، مشفقی مکرمی میاں صاحب میاں محمد صاحب "حفظہ عما کرہ، موَفق بود، از مکارہٗ او سبحانہ مصون و مامون باشند" اللہ تعالیٰ آپ کو ہر ناپسندیدہ اور نفرت انگیز چیز سے محفوظ رکھے اور آپ کی تمام خواہشات اللہ تعالیٰ جلّ وعلا کے منشا اور رضا کے موافق ہوں اور وہ ذاتِ اقدس جلّ شانہ آپ کو تمام تکالیف اور مصائب سے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔فقیر نور محمد کی طرف تسلیماتِ مسنونہ کے بعد (واضح ہو) کہ ازراہِ

مہربانی ارسال کردہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ جسے پڑھ کر بے حد خوشی حاصل ہوئی۔
(جزاکم اللہ تعالیٰ الخیر الجزاء) اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔
آئندہ بھی اسی (دل آویز) طرز پر وقتاً فوقتاً ضرور یاد فرمالیا کریں۔ اللہ تعالیٰ
اپنی رضا وخوشنودی کے مطابق ذاتی محبت عطا فرمائے آمین۔
آپ میرے لیے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ اس دعا گو کو بھی تضیع اوقات (وقت
کی بے قدری) سے محفوظ رکھتے ہوئے خاتمہ بالخیر فرمائے۔ والسّلام
میاں غلام محمد صاحب [مجھ ناچیز مؤلف کتابِ ہٰذا کے والدِ ماجد کا اسم گرامی ہے]
کی خدمت میں بہت بہت سلام پیش کریں۔ فقیر آپ کے والدِ گرامی تک ایک کام
رکھتا ہے۔ فرصت وفراغت کی گھڑیاں میسر ہوں، تو یہاں سے ہوتے ہوئے جائیے۔
میں (محمد گھلوی) کہتا ہوں: کہ حضرت کے تحریر شدہ لفظ تضیع اوقات میں حضور نے
اس بندہ کو بیدار کرنے میں واضح اشارہ کا التزام فرمایا ہے، کیونکہ اس بندہ کا سارا وقت
غفلت میں بیت جاتا ہے، وگرنہ حضور قبلہ والاشان تو سارا وقت مشغول بحق رہتے تھے۔

مکتوب گرامی نمبر ۲:

فضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، مجمعِ مکارمِ اخلاق، منبعِ
محاسن واشفاق مشفقی مکرمی میاں صاحب، میاں محمد جیو حفظہ عما کرہ ہموارہ بمرضیات
حق جل وعلا، مؤفق بود، از مکارہ اوسبحانہ مصون و مامون باشند۔" اللہ تعالیٰ آپ کو ہر
ناپسندیدہ اور نفرت انگیز چیز سے اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپ کی تمام خواہشات
حق جل شانہ کی مرضی کے مطابق ہوں اور وہ ذاتِ اقدس آپ کو سختیوں اور تکلیفوں
سے اپنی حفاظت ونگرانی میں رکھے۔
فقیر نور محمد کی طرف سے شوق بھرے سلامِ مسنون کے بعد واضح ہو کہ از راہِ محبت

ومہربانی آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ وہ انتہائی خوشی کا موجب قرار پایا۔ (جزاکم اللہ تعالی خیر الجزا) اللہ تعالی آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

حضور والا! فقیر آپ کے ہاں چند راتیں گزارنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا، مگر قسمت میں دانہ پانی کسی اور طرف لکھا تھا، اس لیے آپ کے ہاں نہ آسکا۔ معاف فرما دیجیے۔ ''الامور مرھونۃ باوقاتھا'' یعنی کام اپنے اپنے اوقات کے ساتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل شعر اپنا مقصودِ حیات تصور کریں۔

ہر چہ غیر از شورش و دیوانگی است

اندریں رہ دوری و بیگانگی است

''ذات حق کے علاوہ جو بھی نظر آتا ہے، وہ شورش و دیوانگی ہے۔ اس راہ طریقت میں (حق تعالیٰ کے سوا دیکھنا) دوری و بیگانگی ہے۔''

جہاں تک ممکن ہو، یادِ مولیٰ میں مگن رہیں۔ دارین کی سعادتوں کا وسیلہ، بلکہ محور و مرکز یہی محبت ہی تو ہے۔[1]

اور کاملین اسی نعمت محبّت کی بدولت جذبِ کامل کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔[2]

میاں صاحب (والدِ گرامی مولانا گھلوی) اور جملہ کرم فرماؤں کی خدمت میں بہت بہت سلام پیش کریں۔ والسّلام

میرے قبلہ خط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ عالی جناب تمہاری ملکیت میں

---

[1] بقول کسے: محبت کے دم سے یہ دنیا حسیں ہے — پتہ لی محبت کوں تیں سمجھا چا، کیا ہے
محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے — ہئ ہر شے فنا ہے محبت بقا ہے

[2] ہے بڑا آدمی وہی تحسینؔ
نعمتِ دردِ دل جو پاتا ہے — (تحسین سائیوالوی، ...... مترجم)

(تصوف کی مشہور کتاب) ''نزہۃ الارواح'' کا بھیجا ہوا ایک نسخہ میرے زیر مطالعہ ہے۔

(اور حضور سیدنا شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب ''عوارف المعارف''

بھی ارسال کر دیں۔ چند دن مطالعہ کے بعد پھر جلد ہی بسلامتی واپس بھجوا دی جائیں

گی۔ والسّلام

مکتوب گرامی نمبر۳:

فضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، مجمعِ مکارمِ اخلاق، منبع

محاسن واشفاق مشفقی میاں صاحب، میاں محمد جیو صانہ عما شانہ ہموارہ بمرضیات حق جل

وعلا موفق بودہ از مکارہ اوسبحانہ مصون و مامون باشند۔'' اللہ تعالیٰ آپ کو ہر ناپسند اور

نفرت انگیز چیز سے اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپ کی تمام خواہشات حق جل شانہ

کی مرضی کے مطابق ہوں اور وہ ذاتِ اقدس آپ کو مصائب ومشکلات سے اپنی

حفاظت ونگرانی میں رکھے۔

مشتاقانہ سلامِ مسنون کے بعد از راہِ مہربانی وکمالِ عاطفت جو گرامی نامہ ارسال

فرمایا تھا، وہ پہنچ پایا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزا

یہاں پر اللہ کے فضل و کرم سے خیر خیریت ہے۔ آپ کی خیریت وعافیت

مطلوب ومحبوب ہے۔

عالی جناب! زندگی کی قیمتی گھڑیوں کا پورا خیال رکھا کیجیے۔ تعلیم کے وقت تعلیم پر

دھیان دیجیے اور ذکر اذکار کے وقت یادِ دوست میں منہمک رہا کیجیے۔

''مَنْ طَلَبَ وَجَدَّ وَجَدَ'' (جو شخص اپنے مقصد کی طلب اور جستجو میں رہتا ہے

وہ (خوش بخت) اپنے مقصد کو ضرور پالیتا ہے)۔ (درج بالا مقولہ) آپ کی طبیعت اور مزاج کو پسند تھا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں،

سر بشکستہ نیستت، سر رامبند
چند روزے جہد کن باقی بخند

ہر چہ غیر از شورش و دیوانگی است
اندریں رہ دوری و بیگانگی است

"یعنی تو کمزور وضعیف اور بے بس و مجبور نہیں، لہذا تجھے پست ہمت ہو کر بیٹھنا نہیں چاہیے، بلکہ حیاتِ مستعار کے یہ چند ایام عزمِ پیہم کے ساتھ جہدِ مسلسل میں گزار دے، تا کہ تو پھر ہمیشہ ہمیشہ ہنستا و مسکراتا رہے۔ ذاتِ حق کے علاوہ جو بھی نظر آتا ہے وہ شورش و دیوانگی ہے (یہ غیر حق کا دیکھنا) اس راہِ طریقت میں دوری اور بیگانگی ہے۔"

یقیناً اصل مقصود کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل و عطا اور عنایت سے وابستہ ہے، مگر پھر بھی اپنے کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے لگاتار محنت ہر صورت ضروری ہے۔ اس کے لیے سنت اور طریقۂ الٰہی یہی ہے اور کامیابی و کامرانی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔

گرچہ وصالش نہ کوشش دہند
آں قدر اے دل کہ توانی بکوش

ترجمہ: "مانا کہ (دلربا محبوبِ ازل کے) وصل وصال اور قرب و جوار کی قابلِ رشک پاکیزہ گھڑیاں محض اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتیں، مگر پھر بھی ایک عاشق زار کو ممکنہ حد تک کوشاں رہنا چاہیے۔"

دعا فرمائیے! حق تعالیٰ جل شانہ اپنی ذاتی محبت سے ہم دونوں کو مالا مال فرمائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ اپنے قبلہ گاہ (والدِ گرامی) کی خدمت میں تسلیمات عرض کریں۔

میرے مشفق میاں محمد موسیٰ صاحب اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفظ وامان میں رکھے، اللہ پاک انھیں علم باعمل نصیب فرمائے۔

وہ روزانہ ایک سو مرتبہ سورۃ فاتحہ حصولِ علم کی نیت سے عشاء کے وقت پڑھا کرے۔ میاں موسیٰ کے رقعے کے جواب میں علیحدہ خط لکھنے کے لیے وقت کے دامن میں گنجائش نہیں ہے، لہٰذا معاف فرما دیجیے۔

غلام رسول اور دیگر مہربانوں تک پرخلوص سلام پہنچا دیجیے۔

مکتوب گرامی نمبر۴:

یہ اس زمانے کی بات ہے، جب بندہ ایک بدنی تکلیف میں مبتلا تھا۔ آپ نے اپنے اس غلام کے لئے شفا کی غرض سے دعائے خیر فرمائی۔ (یہ مبارک خط) کسی دوسرے بزرگ کا تحریر شدہ ہے۔ البتہ آخر میں حضور نے اپنے دست خاص سے یہ مبارک اور نیک انجام کلام ثبت فرمایا: ”تعلیم سے فراغت کے وقت گوشۂ تنہائی میں مشغول بحق سبحانہ وتعالیٰ رہنا چاہیے۔“

”اِعْتَجِل فالوقتُ سیفٌ قاطعٌ“

(یعنی توشۂ آخرت تیار کرنے میں) جلدی کیجیے، وقت (گویا) کاٹنے والی تلوار ہے۔

وقتِ جوانی عجیب وقت ہوتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اسے غلط طریقے سے گزارنے سے بچائے۔ جوانی کی گھڑیوں میں جو کام بھی کرنا چاہو، وہ بآسانی ہوسکتا ہے اور بڑھاپے میں اپنی مرضی نہیں چلتی، اس وقت کام مشکل ہو جاتا ہے۔

[کھیتوں کو دے لو پانی کہ بہہ رہی ہے گنگا

کچھ کر لو، نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں (مترجم)]

دعا گو کے متعلّق دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ ہم دونوں کو اپنی ذات کی شرابِ محبّت عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین۔

ذکر گوئی ذکر، تا ترا جان است

پاکیِ دل بذکرِ یزدان است

ترجمہ: ''جب تک جسم میں جان باقی ہے یادِ حق بھولنے نہ پائے، کیونکہ دل کی پاکیزگی اور صفائی ذکرِ مولیٰ سے حاصل ہوتی ہے۔''

ہر فکر کہ جز بخدا، وسوسہ دان

شرمی از خدا بدار، ایں وسوسہ تا چند۔

''یادِ خدا کے سوا ہر فکر کو وسوسہ جان۔ خداوندِ کریم سے کچھ شرم کیجیے، یہ وسوسہ (دنیا و مافیہا کی محبّت) کب تلک باقی رہے گا۔''

گستاخیِ کلام معاف کیجیے۔ والسّلام۔ میاں غلام محمد، میاں احمد اور باقی بزرگوں کی خدمت میں نذرانۂ سلام پیش کیجیے۔

حضور قبلہ والا شان کے یہ چاروں خطوط بلا افراط و تفریط میں نے سپردِ قلم کیے ہیں، تاکہ اس بندے کے لیے کونین کے سہارا و مددگار، دارین کے شفیع و مشفع آنحضور والا شان قبلۂ حقیقی اور کعبۂ تحقیقی کی یہ یادگاریں بندے کے ہاں دونوں جہانوں میں باقی رہیں۔

''وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَاد''

(میں اپنے دینی و دنیوی معاملات ذاتِ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ اپنے بندگان کو دیکھنے والا ہے۔)

اب میں اپنے مقصودِ اصلی، یعنی حضور قبلہ و مرشد کے مناقب و فضائل کا ذکر پھر بیان کیے دیتا ہوں (رضی اللہ عنہ وارضاہ) اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ بھی خدائے ذوالجلال کو راضی رکھ سکیں۔

ساقی تیری نوازشیں

اصل: (مرکزی اور بنیادی بات) بندے نے جونہی علمِ ظاہری کی تعلیم سے فراغت پائی، حضور عالی جناب نے شرفِ بیعت سے سرفراز فرمایا اور نصیحت فرمائی:
"اگر کوئی ضرورت مند تجھ سے شرعی مسئلہ پوچھنے آئے تو کتاب دیکھ کر بتادیا کریں۔"
اس (غنچہ دہن محبوب) کی زبان سے نکلے ہوئے مبارک الفاظ کی ذرا تاثیر تو دیکھیے کہ سفر ہو یا حضر، میں جہاں کہیں بھی ہوتا ہوں۔لوگ مجھ سے شرعی مسائل پوچھنے کے لیے چلے آتے ہیں اور میں بھی بالکل درست اور تسلّی بخش جواب دے دیا کرتا ہوں اور پھر جب بھی میں شرفِ قدم بوسی سے مشرف ہوتا تو میرے ساتھ خدمتِ عالیہ میں حاضر ہونے والے طلبہ کے احوال پوچھتے رہتے۔میں یوں عرض پرداز ہوتا: کہ حضور! کچھ طلبہ آتے ہیں اور پھر کہیں اور جگہ چلے جاتے ہیں۔قبلہ نے یہ شعر پڑھا:

گر بیائی بیا کہ دربانی نیست
ور بروی برو کہ پاسبانی نیست

"اگر آنا چاہو، تو آجاؤ کہ دروازے پر کوئی بھی دربان متعین نہیں ہے اور اگر تم نے واپس جانے کی ٹھان لی ہے تو بخوشی چلے جاؤ، روکنے والا کوئی نہ ہے۔"

شوقِ طوافِ کعبہ

ایک مرتبہ حضور کے غلاموں میں سے ایک غلام دور دراز کا سفر کر کے خدمتِ پاک میں حاضر ہوا۔آپ نے پوچھا: بھئی! تو تنہا آیا ہے؟ عرض گزار ہوا:

جی ہاں حضور۔ حضور عالی مرتبت نے یہ شعر پڑھا:

شوقِ طوافِ کعبہ چوں دامنت گرفت

تدبیرِ زاد و راحلہ،شد شد ، لشد لشد

ترجمہ: ”جب طواف کعبہ کے شوق نے دامن پکڑ لیا تو زاد و راحلہ کی تدبیریں رہنے دیجیے۔ ہو جائیں تو بہت خوب اور اگر نہ ہوں تو پھر بھی شوقِ دیدار کے آگے کون سی دیوار حائل ہو سکتی ہے۔“

[اے دل تو چل مدینے، رستے کا پوچھنا کیا

الفت حبیبِ حق کی رستے بتا رہی ہے (مترجم)]

دیوانہ باش

ایک مرتبہ یہ غلام عرض گزار ہوا: حضور! میں ایک بے کار شخص ہوں۔ کوئی بھی کسب و ہنر نہیں جانتا۔ میرا لباس وطعام رشتہ داروں پر جرمانہ ہے۔

خود بدولت نے یہ مصرع پڑھ دیا:

ع دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند

”(دنیائے دنی سے بے فکرا ہو کر) محبوبِ حقیقی کی محبّت میں گم ہو جا، تا کہ لوگ تجھ (خستہ جان) کا غم کھا سکیں (اور تیری فیروز بختی پر عش عش کر اٹھیں)۔“

سینے کے داغ

ایک روز اس غلامِ بے دام نے عرض کی: نواب غازی الدین کے باغ میں ہمہ قسمی (دلکشا و دلربا) شگفتہ پھول موجود ہیں۔ حضور! ذرا باغ کی سیر و تفریح اور پر کیف نظاروں سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ آپ نے درج ذیل شعر پڑھا:

ما اسیراں را تماشائے چمن در کار نیست

داغ ہائے سینۂ ما ، کمتر از گلزار نیست

"یعنی جمالستانِ محبوب کے اسیروں کو باغ باغیچوں کے نظاروں کی کیا ضرورت ہے؟
ہم دل جلوں کے سینوں کے داغ، گل و گلزار سے کسی صورت بھی کم نہیں ہیں" [1]

آ، میرے آفتابِ شوق

اصل: ایک بار سیلاب (چھل) کے موقع پر آپ حضور رضی اللہ عنہ مہار شریف سے واپس ہمارے اس خطے کے لیے کشتی میں سوار تھے۔ پانی میں اس قدر طغیانی تھی کہ مہار شریف تا سیت پور اور پھر وہاں سے فاضل پور شہر تک متواتر مکمّل گہرا سیلاب تھا اور دریائے سندھ میں تلاطم خیز موجیں سر اٹھائے ہوئی تھیں۔

حضور قبلہ کی تشریف آوری کی دل افروز خبر بندے کے کانوں تک پہنچی۔ سرزمین یارے والی، جو قاضی نور محمد کوریجہ رحمۃ اللہ علیہ کی جاگیر تھی۔ وہاں کے چند دوستوں کے ہمراہ کشتی کے ذریعے ہم سیت پور کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر کے نزدیک پہنچے تو ہمیں ایک بڑی کشتی نظر آئی۔ دیکھا کہ ملاحوں نے صوفیوں جیسا لباسِ شرعی پہن رکھا تھا اور صالحین کی نشانیاں ان میں نظر آ رہی تھیں۔ ہم نے خوب جان لیا کہ اس کشتی کے ملاحان یہ لباس پہنے ہوئے ہیں تو یقیناً حضورِ والا اس میں سوار ہوں گے۔ آخر ہمارا اندازہ صحیح اور سچ نکلا کہ قبلۂ ابرار، مبارک اطوار اور بلند اقبال کے دیدار کے صدقے میں اس قدر تقویٰ و طہارت کی یہ علامتیں بالکل صاف و واضح نظر آ رہی تھیں اور ہم لوگ شرفِ دیدار، شرفِ سلام اور (دولتِ) قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔

[1] فارغم از گشت گلشن کز غمِ تو ہر زماں
بشگفد صد گونہ گل از خار خارِ دل مرا (دیوان غوث اعظمؒ فارسی)

"میں باغ کی سیر سے بے نیاز ہوں، کیونکہ تیرے غم کی بدولت ہر گھڑی میرے دل کے ایک ایک کانٹے سے سیکڑوں قسم کے پھول کھل جاتے ہیں۔" (مترجم)

پھر دونوں کشتیاں پارے والی کی طرف روانہ ہوئیں۔لطف وکرم کی معراج تو دیکھیے کہ تمام راہ آپ کی ذاتِ بابرکات سے باہمی بات چیت ہوتی رہی اور بندہ کی احوال پرسی کرتے رہے۔

نمازِ ظہر کے وقت خشکی کے کنارے پر جب بھاگ بھرے قدم رکھے تو مریدین اور معتقدین سبھی نماز میں مشغول ہو گئے۔بعض نئے احباب، جنھیں ابھی ابھی شرفِ زیارت نصیب ہوا تھا، وہ ارکانِ نماز کی ادائیگی میں ایک گونہ سستی برت رہے تھے۔ اور تعدیلِ ارکان (ارکان نماز کا آہستہ آہستہ ٹھیک طور سے ادا کرنا) کو صحیح معنی میں ادا کرنے سے بے خبر تھے۔ان کے متعلق حضور عالی جناب فرمانے لگے:''حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک تعدیلِ ارکان فرض ہے اور فرض کے چھوٹ جانے سے نماز ہوتی ہی نہیں َ۔اس لیے قومہ، جلسہ، رکوع، سجدہ اور تسبیحات درست طریقے سے ادا کرنا چاہیے، تاکہ نماز درجہ قبولیت پا سکے۔ چنانچہ حاضرین وسامعین اس ناقابل تردید حقیقت سے آگاہ ہوئے۔اور حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے حسبِ ارشاد فقہی دستور و قانون کے مطابق لوگوں نے اپنی اپنی نمازیں دوبارہ ادا کیں۔

القصہ کوٹلہ مہر علی (خیر پور سادات کے قریب ایک بستی) میں رات گزارنے کا اتفاق ہوا، وہاں مچھر بہت زیادہ تھے۔ کسے مجال کہ زمین پر قیام کر سکے۔حضور مرشد کریم، قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف چلے۔راقم الحروف (محمد گھلوی) اور ایک دوسرا شخص لوٹا اٹھائے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ بے رحم مچھروں کے مسلسل کاٹنے سے ہم بے قرار سے ہو گئے۔

استنجا سے فراغت کے بعد واپسی پر بندے نے مچھروں کی ایذا رسانی کی شکایت کی، مگر

حضور یوں آسودہ، مطمئن اور بے فکر رہے، گویا کہ پھر آپ کی ذات (ملکی صفات) کے قریب ہرگز پھٹکنے نہ پائے۔یہ بات ہمارے لیے مزید تعجّب خیز ثابت ہوئی۔

نہد شاخ پرمیوہ سر بر زمین

رات کا ایک پہر باقی تھا، ملاحوں نے حضرت قبلہ کو واپس گھر لے جانے کی ٹھان لی اور بندے نے بستی یارے والی سے رخصت لے لی۔

دو تین دن بعد خبر آئی کہ کشتی جونہی دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر پہنچی تو محرابی حصے کا تختہ کسی چیز کی ضرب لگنے سے جدا ہو گیا (اور پانی اندر آنا شروع ہو گیا) اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہو گئی۔لوگوں کی (بے اختیار) چیخیں نکل گئیں۔مگر میرے حضور قبلہ رضی اللہ عنہ کی برکت سے کشتی کو سکون و قرار ملا۔پھر محرابِ کشتی کو درست کیا گیا۔اس دوران میں حضورِ والا کے مریدین میں سے میاں محمد موسیٰ بولے: ''کشتی کیسے غرق ہو سکتی؟ اولیائے اللہ کی کوئی کشتی کبھی بھی غرق نہیں ہوا کرتی۔''

حضور، یہ الفاظ سنتے ہی جوش و جلال میں آکر فرمانے لگے: ''میاں محمد صاحب ! تو نے کس شخص کو اس کشتی میں ولی اللہ مقرر کر رکھا ہے۔ہاں! شاید تو خود ولی اللہ ہو، یہ ہو سکتا ہے۔'' حاضرین آپ کی ہیبت و دبدبے سے ایسے دم بخود ہوئے کہ پھر کشتی کی خرابی کے متعلق بات تک نہ ہوئی۔

الغرض میرے قبلہ حضور قدس سرہ، جن کی ولایت کے کافر و مسلم سبھی معترف تھے ،اس قدر (رفعتِ مقامات) کمال کے باوجود خود کو یوں قاصر و بے خبر جانتے تھے کہ گویا ابھی (مکتبِ عشق میں کچی پکی، نرسری، پریپ پڑھنے والے) مبتدی ہیں۔

[تو نڑیں جو دریا نوش ہن
پر جوش تھی خاموش ہن

اسرار دے سر پوش ہن

صامت رہن مارن نہ بک] (خواجہ غلام فریدؒ، مترجم)

خوفِ خدا تو آپ کے دل پر غالب تھا ہی، خشیّتِ الٰہی بھی آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ مرقومہ بالا خطوط سے معلوم ہوا۔

[کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت

جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے] (مترجم)

یہ نکتہ کمالِ عبدیت پر دلالت کرتا ہے، جو اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کی ذاتِ اقدس کو ارزانی فرما دیا۔

"الحمدللہ علی ذالک" میں اس کرم و عطا پر اس ذاتِ پاک کی بار بار حمد و شکر بجالاتا ہوں

شالا مولھ سلامت نیواں:

اصل: درج بالا روایت کے مناسب و مطابق ایک اور روایت بھی ہے۔ وہ یہ کہ مرضِ وصال کے دوران آپ رضی اللہ عنہ سیت پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ گھر سے اس ارادے سے چلے تھے کہ شاید قسمت یاوری کرے اور حضورِ اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم کے قدموں میں شربتِ وصال نوشِ جان ہو۔

[میں سوچتا رہتا ہوں اکثر

آنکھیں نہ مریں مر جانے پر

میں کوچۂ جاناں میں جا کر

کردوں کسی اندھے کی نظر

تحسین یہ دے کر نذرانہ

دیکھا تو کروں گا روزانہ] (مترجم)

سیت پور میں حکیم قاضی محمد عمر کے پاس چند دنوں کے لیے علاج معالجے کا اتفاق ہوا۔ ایک روز قاضی موصوف نے میرے قبلہ رضی اللہ عنہ کو جسمانی طور پر کمزور پایا تو ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے وہ یوں عرض گزار ہوا: ''اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے فضل وکرم سے آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔'' روئے زمین پر، حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا خلیفۂ برحق آپ کی ذاتِ گرامی ہی ٹھہرتی ہے۔ (اتنا سماعت فرمانے کے بعد) حضور عالی جناب جوش میں آئے اور فرمایا:

''اُو قاضی! تو نے یہ کیا کہہ دیا۔'' پھر یوں فرمانے لگے: خلیفہ (یعنی اصل کا نائب) وہ (خوش بخت) ہوسکتا ہے جو اپنے سرمایۂ ایمان کو سلامتی کے ساتھ لے جائے، (یہ سنتے ہی) قاضی صاحب پر رقت طاری ہوگئی۔

[شالا مولھ سلامت نیواں
رہ وچ لڑدن چور] (پیر فریدؒ)

تسبیحِ فاطمہ میں تعیین تعداد کی حکمت

اصل: جب یہ نیازمند غلام، فیضِ مآب حضرت قبلہ (پیر ومرشد خواجہ نور محمد ثانی) رضی اللہ عنہ کی معیت میں پہلی مرتبہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بجانبِ مہار شریف عازم سفر ہوا۔

ایک رات موضع صالح پور میں شیخ محمد قریشی مرحوم کی دعوت پر میرے قبلہ قیام پذیر ہوئے۔ مولوی نور احمد (رحمۃ اللہ علیہ) ساکن نوشہرہ، جناب حافظ محمد سلطان پوری، قاضی حافظ یار محمد ساکن دلو دجال وغیرہم، یہ بزرگ حضرات بھی ساتھ تھے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضرین کے درمیان بعض مسائل وفوائد کا ذکر چھڑ گیا۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کے

اعداد کے بارے میں، جو ہر فرض نماز کے بعد حدیث پاک کے مطابق پڑھے جاتے ہیں اوراس کے ساتھ کلمۂ تمجید (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر) بھی ملایا جاتا ہے، یہ تعداد کے لحاظ سے ایک سوایک بنتا ہے۔حدیث کی روشنی میں اس کا ثواب بعض روایات کے مطابق تاروں کے برابر ہے۔

پھر سبحان اللہ ۳۳ بار ، الحمد للہ ۳۳ ، اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھنے اور تعیین تعداد کی حکمت پر بحث شروع ہوگئی۔ کہ کیا تعیینِ تعداد کی تخصیص نفع ونقصان کے لیے ہے کہ مقررہ تعداد سے کم نہیں پڑھنا چاہیے یا ثوابِ مقررہ (تاروں کے برابر) کا دارومدار تعیینِ عدد کی پابندی میں ہے کہ اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔

آخر کار تمام بزرگوں نے پہلی بات (نفع ونقصان) پر اتفاق کیا۔ بندہ (محمد گھلوی مؤلفِ کتابِ ہذا) جو اس روح پرور محفل میں خاموش بیٹھا تھا، اپنی فضلیت وبرتری کے اظہار کے لیے گستاخی کرتے ہوئے بول اٹھا:

”میں ’حصن حصین‘ (مصنف امام جزری رحمۃ اللہ علیہ) کے حاشیے میں بذاتِ خود دیکھ چکا ہوں، یہ مصرعہ لکھا ہے۔”من زاد زاداللہ فی حسناتہٖ‘ جس نے (عددِ معین تینتیس ۳۳، چونتیس ۳۴ سے) زیادہ پڑھ دیا اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمادیتا ہے۔“

حضور مرشدِ کریم رضی اللہ عنہ (خاموشی سے) سب کی باتیں سنتے رہے، پھر اظہارِ حقیقت کچھ اس طرح فرمایا: ”اعداد کا تعین وتخصص اوراد و وظائف میں بہر صورت ضروری ہے اور وعدۂ حصولِ ثواب میں تعیینِ تعداد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اب اسے ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے۔ایک شخص نے زر و جواہر کا خزانہ کہیں مٹی میں دفن کردیا۔ایک مدت کے بعد پھر اسے نکال لینے کا خیال ہوا تو اسے مکمّل طور پر احتیاط ضرور برتنی چاہیے کہ گڑھا اس جگہ کھودے، جہاں وہ خزانہ چھپایا تھا۔ اگر

لا پروائی یا غلطی سے دائیں بائیں یا آگے پیچھے بیلچہ (کسی، پھاوڑا) چلائے گا تو وہ گنجِ گراں مایہ نہ پا سکے گا۔ سبھی بزرگوں نے مثال مذکور کو تسلیم کیا اور بندہ (محمد گھلوی) اپنی (علمی) جسارت پر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ نہیں نہیں، بلکہ یہ علمی جسارت و دلیری، بندے کے لیے رفعِ جہالت کا سبب بنی۔ [1]

ساقی تیری نوازشیں

پھر جب ہم حاصل پور شرقی پہنچے۔ ''کھلوار'' نام کی ایک بستی میں رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔ (سوئے) اتفاق کہ بستی کی مسجد ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ حضورِ والا حجرۂ مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ چونکہ جگہ تنگ تھی، اس لیے خود حضرت قبلہ اور دیگر بزرگ اسی حجرے میں زمین پر سوئے۔ حضورِ اعلیٰ کے آرام فرماتے وقت یہ غلام جسم اور پاؤں مبارک دبانے لگا۔ (آپ سے وابستہ) ماضی کی کچھ یادیں ذہن پہ دستک دینے لگیں، میں یوں عرض پرداز ہوا: کہ حضور! فلاں مرتبہ جب آپ سے رخصت لے کر براستہ کوٹلہ مغلاں میں اپنے گھر واپس آ رہا تھا، راستے میں چوروں کا خطرہ لاحق رہا۔ حضور کی برکت سے بخیریت کوٹلہ (چھوٹا قلعہ) مغلاں پہنچا۔ قلعہ کے دروازے

---

[1] اس سلسلے میں حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ خلیفۂ اجل جمال الملت والدین حضرت سیدنا جمال اللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ و مرید خاص شیخ الاسلام والمسلمین مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

" قیل الاقربُ الی الادبِ ان لا یُحدث عند من هو افضلُ منه فی العلم بل قیل لا یُحدث فی البلد اذا کان فیه اعلمُ منه والصحیحُ انه یجوز اذا کان بعضُ الحاضرین حاجةً الی ما عندَه مِنَ العلمِ و کم من مفضولٍ یکونُ عندَه مِن بعضِ العلمِ مَالیسَ عندَ الفاضلِ "

کہا گیا ہے کہ ادب و احترام کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے سے افضل و اعلیٰ اہل علم کی موجودگی میں لب کشائی کی جسارت نہ کی جائے۔ بلکہ اس حد تک بھی کہا گیا کہ اپنے سے بڑھ کر کوئی اہل علم و فضل شخص شہر میں موجود ہو تو وہاں بھی (علمی تفوق جتانے کے لئے) بات کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ مگر قول صحیح یہی ہے کہ اگر اس کے خرمن علم سے لوگوں کی حاجت برآری اور علم کی پیاس بخوبی بجھ رہی ہو تو اس کے لئے بلا تامل جائز ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک بات کا علم، اعلیٰ اہل علم کی نسبت ادنی کچھ زیادہ علم رکھتا ہے۔

(کوثر النبی ص ۵۸، جامع العلوم شخصیت، مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ) (مترجم)

پر ایک مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ عصر کے وقت ایک آنے والا آیا اور مجھے کہا: ''یہاں نہ بیٹھیے (بلکہ) میرے ساتھ اندرونِ قلعہ آجایئے، کیونکہ وہاں کی مسجد محفوظ ہے اور گرم پانی کا بھی انتظام ہے''۔ وہ رات میں نے اندرونِ کوٹلہ گزاری تھی۔ حضراتِ بزرگان کی روحانی توجہ سے وہاں پر میری اور میرے ایک ساتھی کی ہر قسم کی خدمت وتواضع اور طعام وقیام (کھانے پینے اور سونے کے لیے بستر وغیرہ کا انتظام) میں کسی قسم کی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ میں منہ اندھیرے اٹھ بیٹھا۔ پورے شہر میں یہ شور برپا تھا کہ چوروں، لٹیروں نے بیرونِ شہر رات گزارنے والے مسافروں کو مارا پیٹا، انھیں زخمی کیا اور ان کا مال واسباب بھی لوٹ لیا ہے۔ تب یہ حقیقت (روزِ روشن کی طرح کھل کر) سامنے آئی کہ وہ شخص مجھے اندرونِ قلعہ کیوں لے آیا تھا۔ یہ سب کچھ حضورِ والا کا روحانی تصرف اور فیضانِ نظر تھا کہ ہم سلامت باکرامت رہ گئے۔

[تیری نوازشوں کو بھلایا نہ جائے گا
ماضی کا نقش دل سے مٹایا نہ جائے گا (ساحر لدھیانوی)
میں تیکوں بھلانواں بُھلا کیویں سگداں
نمازِ وفا کر قضا کیویں سگداں] (مترجم)

پھر جب میں کوٹلہ مغلاں سے روانہ ہوا، دورانِ سفر جنگل میں راستہ بھول گیا اور رات بھی اندھیری تھی۔ لیکن پھر اس خوفناک جنگل میں یکا یک راہ پالی اور اپنی منزل تک پہنچ گیا۔ (میرا وجدان کہتا ہے) یہ سب کچھ جنابِ والا کی باطنی توجہ کا ثمر تھا۔ حضور، یہ تمام درجے اور رتبے کی باتیں سنتے اور (گل ریز) تبسّم سے موتی لٹاتے رہے۔ یوں لگ رہا تھا کہ گویا آپ میرے ہم سفر تھے اور جملہ احوال وآثار آپ کی ذاتِ بابرکات پر آشکارا تھے۔

غیب سے چارپائی:

میرے قبلہ شیخِ محترم کے سانحۂ وصال کے بعد ایک مدت تک حضور کی بارگاہ میں مجاوری کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انھوں نے یہ حکایت بیان فرمائی ہے۔

میاں محمد جوئیہ مرحوم و مغفور، کہ مسجد ''کھلواری'' میں اسی مذکورہ رات نمازِ عشاء کے بعد ایک وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھا۔ جب وظیفے سے فراغت پائی، حضور عالی جناب اور دیگر احباب جس حجرہ میں آرام فرما تھے، وہاں میں بھی آ گیا۔ سارے دوست نیند میں مست تھے، مگر میرے بیدار دل (اور بیدار مغز) حضرت قبلہ جاگ رہے تھے۔ میرے اندر آنے سے آگاہ ہوئے؛ سامنے بلایا، پھر پیچھے کی طرف دیکھنے کو کہا اور اشارے سے فرمایا: ''اس چارپائی کو تھام لیجیے'' میں نے مڑ کر نظر کی، کیا دیکھتا ہوں کہ غیب سے ایک چارپائی حجرے کے دروازے پر حاضر ہے۔ حالانکہ اس وقت ایسا کوئی شخص بھی موجود نہ تھا، جو اسے اٹھا لایا ہو۔ میں چارپائی تھامتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے حضور کی خدمت میں عرض گزار ہوا ''حضور! جگہ تو اس قدر تنگ ہے کہ آدمی، آدمی کے ساتھ ملا ہوا ہے، ایسی حالت میں چارپائی کہاں رکھوں اور خود کہاں لیٹوں؟''

حضور عالی جناب مرشدِ کریم اشارے سے فرمانے لگے: ''چارپائی کی جگہ بنانے کے لئے ہاتھ کی کوشش سے کام لیتے ہوئے دوستوں کے سروں سے گزار لیجیے''۔ میں پھر عرض پرداز ہوا: ''جگہ تو بالکل تنگ ہے۔ خدانخواستہ کروٹ بدلنے سے کسی دوسرے دوست کو تکلیف پہنچے اور مجھے بے ادب تصور کریں۔ اس لیے مجھے باہر (یخ بستہ) سردی میں سونا منظور ہے۔'' حضور عالی شان نے اپنے سینۂ نازنین پر ہاتھ رکھا اور

اشارتاً (زبانِ حال) سے فرمایا: ''یہ ذمہ داری ہماری ذات پہ چھوڑ دیجیے، بلا تامل اور بے فکر ہو کر چارپائی کو اونچا کیجیے اور یہاں پر لیٹ جایئے۔''

"الامر فوق الادب" (حکم ادب و نیاز پر ہر حوالے سے فوقیت رکھتا ہے۔) کے مطابق چارپائی کو محوِ خواب دوستوں کے سروں کے اوپر رکھ کر سو گیا۔

رات کا آخری حصہ تھا، کہ سبھی دوست خواب (شیریں) میں مست تھے، مگر حضور عالی جناب اٹھ بیٹھے اور مجھے بھی بیدار کیا۔ وضو تازہ کیا اور یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔

؎ نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

؎ عطار ہو، رومؔی ہو، رازؔی ہو غزالؔی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی (علامہ اقبال)

؎ ہر کہ وقت صبحدم در یادِ حق بیدار نیست
او محبت را چہ داند لائقِ دیدار نیست
خفتہ باشد ہمچو حیواں عمر ضائع من کند
دز دساماں می برند چوں پاسباں بیدار نیست [1]

اس کے بعد جملہ احباب اپنے اپنے اوراد و وظائف اور ذکر بالجہر (کی نعمت و سعادت سے لطف اندوز ہونے) کے لیے جاگ گئے، جو چارپائی میں باہر سے اٹھا لایا تھا۔ صبح کے وقت اسے پھر ملاحظہ کیا تو گم پایا۔ اس مذکورہ چارپائی کی آمد و رفت (کا پوشیدہ راز) حضور قبلہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کے طور پر تھا۔

---

[1] (جو شخص یادِ مولیٰ میں آدابِ سحر خیزی بجا نہیں لاتا، وہ اسرارِ محبت کیا جانے اور پھر وہ جلوۂ دوست کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے؟ حیوانوں کی طرح خوابِ غفلت میں رہ کر عمرِ عزیز کو ضائع کر رہا ہے۔ جب گھر کا محافظ ہی خوابِ خرگوش میں مست ہو جائے تو ڈاکو، لٹیرے ساز و سامان اٹھا لے جائیں گے۔) (مترجم)

قدم تیڈے وچ نومن بھاگ

سعادتِ پناہ، سید شاہ محمد جو بستی حاجی محمد اکرم ڈہا کے رہائشی ہیں، میرے قبلہ شیخِ مکرم رضی اللہ عنہ کے حلقہٗ بگوش ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میرے حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ بجانبِ ملتان شریف عازم سفر تھے۔

میں نے حضور کی خدمتِ عالیہ میں اپنے گھر دعوت کی استدعا کی۔

[رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانہٗ تست

کرم نما فرود آ کہ خانہ ، خانہٗ تست]

''میری آنکھوں کی پتلی میں تیرا گھر ہے۔مہربانی کر کے آجا کہ یہ گھر تیرا ہی گھر ہے۔''

[قدم تیڈے وچ نومن بھاگِ

انگن میڈے پوں پا جا] (مترجم)

آپ نے ازراہِ لطف وکرم شرفِ قبولیت بخشا۔[1]

صبح کو عمدۃ العلما، زبدۃ الصلحاء حافظ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے تشریف ارزانی ہوئی۔ چونکہ آپ حضرت حافظ موصوف سے شاگردی کا تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے دو راتیں اپنے استادِ محترم کے ہاں گزاریں۔ پھر بندے کو حکم فرمایا کہ استاذی المحترم سے میری طرف سے رخصت طلب کیجیے۔ میں نے عرض حال کیا۔ حافظ صاحب ناراض ہو کر فرمانے لگے: ''ہاں ہاں میاں صاحب فقیر آدمی ہیں، ہم ملاؤں کی صحبت سے پریشان سے ہو جاتے ہیں''۔ یہ بات سنتے ہی مرشد کریم نے مجھے

---

[1] [مسیں ویڑے ماہی آیا ونڈاں ودی چوریاں

پیار دی اپیلاں دیاں ہوئیاں منظوریاں] (مترجم)

اشارہ کیا۔ "بس اب قطعاً عرض نہ کرنا" آخر کار آپ دو اور راتیں حضرت حافظ صاحب کے ہاں مہمان رہے۔ یہاں تک کہ حافظ موصوف خود حضور عالی سے فرمانے لگے: ہماری طبیعت آپ جیسے درویشوں اور فقیروں کی صحبتِ مجلس کو بہت ہی پسند کرتی ہے۔ اسی لیے تو آپ کو چند راتوں کے لیے مہمان ٹھہرانا چاہا۔ پھر حضور ذی شان کی خدمت میں (شرفِ استاذیت کے تفوق کے باوجود) بطریقِ التماس یوں عرض رساں ہوئے: "میں آپ کی پیر پرستی اور درویشی کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں۔ اپنی حسنات و برکات اور فیوضات سے کوئی چیز بطور فیض ہمیں بھی عطا فرمایئے"۔ حضورِ اعلیٰ، رشتۂ استاذیت کی وجہ سے حضرت حافظ صاحب سے ادب و احترام کے ساتھ یوں گویا ہوئے: "اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو ہر چیز سے نوازا ہوا ہے، لہٰذا تلقین کی کچھ بھی حاجت نہیں۔"

مگر حافظ صاحب دوسری مرتبہ پھر ملتمس ہوئے۔ حضور نے کافی دیر تک جواب میں خاموشی اختیار فرمائے رکھی۔ بالآخر فرمایا: "چونکہ آپ کا حکم ہو چکا ہے۔

[تو حکم کر تیرے لہجے میں التماس نہ ہو

بس ایک شرط ہے وہ یہ کہ تو اداس نہ ہو] (مترجم)

اس لیے اتنا عرض کرتا ہوں کہ نماز مغرب کے بعد نوافل اوابین پڑھ لیا کیجیے"

حافظ صاحب اپنا سر سیدھا کرتے ہوئے یوں فرمانے لگے:

"خوب ارشادِ گرامی ہوا ہے! واقعی میں ان نوافل کو بطورِ وظیفہ ادا نہیں کرتا رہا۔ آپ نے نورِ باطن سے اس نیکی کی طرف جو رہنمائی فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ پر بکثرت (برستی) رہے۔"

[تیری نوازشوں کو بھلایا نہ جائے گا

ماضی کا نقش دل سے مٹایا نہ جائے گا] (ساحر لدھیانوی)

تھیاں سر سبز فرید دیاں جھوکاں :

اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت
میاں محمد جوئیہ مجاور سے روایت ہے
قبلہ قدس سرہٗ، اپنے برخوردار، قوی طالع، بلند اقبال، صاحبزادہ حافظ محمد جیو طال عمرہٗ
وزاد برکاتہٗ کی شادی خانہ آبادی کی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ اس وقت نالہ قطب
واہ کے کنارے سکونت پذیر تھے۔
حضرت شیخ المشائخ، غیاث العاشقین، سند الواصلین حضرت قبلہ عالم وعالمیاں
(اپنے پیر روشن ضمیر) خواجہ صاحب (نور محمد مہاروی) اور آپ کے جملہ خلفائے کرام،
دیگر بزرگان اور بے شمار مخلوقات کو مدعو کیا۔
اس دوران چوروں اور لٹیروں نے شادی کا اکٹھا کیا ہوا سارا ساز و سامان اور
مال واسباب شادی سے پہلے ہی لوٹ لیا۔ (ایسی تشویش ناک حالت میں بھی) حضور
عالی جناب پہلی حالت (فرحت وسرور) سے (نکل کر) تھوڑے سے بھی فکر مند نہ تھے
، بلکہ چوروں کی اس لوٹ کھسوٹ کو تجارت کے معنی میں سمجھا ہوا تھا۔
پھر اس ضمن میں حضور رضی اللہ عنہ پر پردۂ غیب سے لامحدود فیوضات و برکاتِ
الٰہی ظہور پذیر ہوئے تھے۔ مسرت و شادمانی کے اس (دلکشا) موقع پر آپ نے ایسا
اعلیٰ اور شاندار اہتمام فرمایا کہ حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور دیگر بزرگوں کی تشریف
آوری کی بدولت مہکتے پھول کی طرح خوش وخرم حال تھے۔ شادی کی ضروریات
کا سامان پہلے سے بھی زیادہ موجود تھا۔ میں شادی میں شرکت کرنے والے خلقت
کے ریلے کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، کہ یہ خدائی لشکر کہاں سے آگیا ہے کہ "قطب واہ" کے
دونوں کناروں کی عمارتیں، بلکہ میدان بھی لوگوں سے بھرے پڑے ہیں۔

میاں محمد جوئیہ کہا کرتے تھے کہ ہر قسم کا کھانا پک کر تیار ہو گیا چند کمرے طعام سے بھرے پڑے تھے۔

مجھے حضورِ والا نے ہر امیر و غریب کے لیے کھانا تقسیم کرنے اور سب تک پہنچانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ چنانچہ میں اس خدمت کے لیے بعد نمازِ ظہر کوشاں ہوا اور ہر شخص کو کھانا کھلاتا رہا۔ شادی کی انتظامیہ کمیٹی اور کارکنان ہمہ وقت میرے پاس طعام جمع کرتے رہے اور کھانا کھلانے میں کسی قسم کی کمی کا احساس نہ ہوا۔

البتہ دوسری نشست، جس کا آغاز عشاء کے وقت ہوا، (شادی میں شرکت کرنے والے انبوہِ کثیر کے خورد و نوش کے لیے) انتظامی حضرات مختلف قسم کے کھانے تیار کرنے سے عاجز ہو گئے۔ حالانکہ ابھی اس خدائی لشکر کے نصف سے بھی کم احباب کھانا تناول نہ کر سکے تھے کہ مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا۔ حضورِ اعلیٰ کی خدمت جا کر صورت حال عرض کر دی کہ طعام تھوڑی مقدار میں باقی ہے اور بہت سے لوگ لقمۂ تر کے انتظار میں ہیں۔ حضور خود ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، جہاں طعام جمع تھا ،وہاں پر نزولِ برکت فرمایا اور مجھے یوں حکم دیا:

''کھانے کے ڈھیر کے درمیان جس جگہ میں اپنا ہاتھ لیے جاؤں تو میرے لگائے ہوئے ہاتھ کی جگہ طعام کو دوسری جگہ منتقل کر کے انتظامیہ کو کھانا کھلانے کا اشارہ کرتا جا۔''

میں آپ کے حسب منشاء ہاتھ سے طعام نکالتا، پھر دوسری جگہ جمع کرتا رہا۔ چند گھڑیاں بھی گزرنے نہ پائیں کہ بلند پستہ کی مانند طعام کا انبار یکجا جمع ہو گیا۔

اسے دیکھتے ہی لوگ حیران رہ گئے۔ آخرکار حضور وہاں سے مسجد کی طرف چلے گئے۔ کچھ ہی دیر میں کھانا پورے لشکر تک پہنچ گیا۔ میں نے بآواز بلند کہا: کسی کو کھانا نہ مل سکا ہو تو وہ آکر لے سکتا ہے، مگر کہیں سے بھی کوئی ایسا جواب سننے میں نہ آیا کہ مجھے کھانا نہیں ملا۔ آخر اس بے شمار طعام کو مساکین اور اہلِ بستی میں تقسیم کیا اور تفویض شدہ ذمہ داری سے فراغت پائی۔

حضور قبلہ رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت مخلوقات کی عقیدت میں مزید پختگی کا سبب قرار پائی۔
"والحمدلله علی ذلک"، اس کرم پر میں اس کریم ذات کی حمد وثنا اور سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں۔

[سجدۂ شکر کبھی کوئی قضا ہو نہ سکے
موت آجائے اگر مجھ سے وفا ہو نہ سکے] (تحسین سبائیوالوی)

بندۂ مومن کا ہاتھ

نقل: حضور قبلہ مرشدِ کریم رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی کرامات متعدد بار ظہور پذیر ہوئیں۔ چنانچہ سنگھڑ (تونسہ شریف) میں حضور کے غلاموں میں سے ایک غلام نے دعوت کا اہتمام کیا۔ انھوں نے حضورِ اعلیٰ کے ساتھ تشریف لانے والے خادموں کا اندازہ کر کے دس بارہ آدمیوں کے طعام کا بندوبست کیا، مگر رات تک حاضرین و زائرین کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہوگئی۔ میزبان ایک مسکین اور غریب آدمی تھا، بے چارہ گھبرا گیا۔ خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا: "حضور طعام کم ہے اور تناول کرنے والے بہت ہیں۔" صاحب طعام کی پریشان حالی دیکھ کر آپ مسکرا دیئے۔

[مجھ کو روتا دیکھ کر وہ ہنس دیا
برق چمکی، ابرِ باراں تھم گیا] (مترجم)

تسلّی آمیز کلمات سے ڈھارس بندھائی۔ جب کھانا سامنے لایا گیا تو حضور نے اپنا دستِ مبارک اس میں ڈال دیا۔

["ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ"] (مترجم)

(پھر کیا ہوا، **یا برکة النبی تعالی ولا ترتھلی**[1]) کھانا اس قدر وافر مقدار میں موجود تھا کہ تمام حاضرین وزائرین، بلکہ پورے شہر والوں نے پیٹ بھر کر

[1] "اے نبی معظم کی برکت وسعادت بلا تاخیر آجا، رحمتوں اور برکتوں کے پھول برسا جا"۔

کھایا، مگر پھر بھی ختم ہونے میں نہ آیا۔

بندگانِ غیب دان

نقل: میاں محمد جوئیہ مرحوم کہتے تھے کہ ایک روز قبلہ قدس سرہٗ مسجد سے باہر چھجّے کے نیچے قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرما رہے تھے اور میں بھی نالہ قطب واہ کے کنارے حضور کے قریب محوِ خواب تھا۔ نمازِ ظہر کے وقت حضور والا کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا میرے دل میں بے اختیار یہ خیال گزرا کہ "سبحان اللہ" آج اس گلزارِ ہستی میں ہم نیاز کیش غلام، حضرت قبلہ کے فیوض و برکات سے مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ کل حضور عالی جناب کے وصال کے بعد زندہ رہنے والے ہم غلاموں کا کیا حال ہوگا؟ آج کی سی یہ عنایت و عطا، جود و کرم اور فیضان کس طرح ممکن ہوگا۔ خود ہی نورِ بصیرت سے میرے وسوسہ دُل کو بھانپ لیا۔

[میرزا عبدالقادر بیدل نے کیا خوب صورت فرمایا ہے۔

بیباک پا منہ بہ ادب گاہِ فقیر

خوابید ست شیر نیستان بوریا [1] (مترجم)

بندگانِ خاص علام الغیوب

در جہانِ جاں جواسیس القلوب [2]

حال تو دانند یک یک مو بمو

زانکہ پُر ہستند از اسرار ہو [3]

............(اس صفحہ کے حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)............

روئے انور میری طرف پھیرتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔

اُو فلاں (یعنی محمد جوئیہ) یہ فکر اور وسوسہ دل سے نکال پھینک، کیونکہ اہل اللہ (عاشقانِ پاک طینت) اپنی ظاہری حیات میں (لیل و نہار کی قیمتی گھڑیوں کے مکمّل)

دو حصے محبوبِ ازل کی یاد میں گزار دیتے ہیں اور ایک حصہ احباب وعقیدت مندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ مگر بعد از وصال اپنے اوقات کے دو حصے اپنے دوستوں اور چاہنے والوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور صرف ایک حصہ ذاتِ خداوند تعالیٰ کے ساتھ مشغولیت کا ہوتا ہے اور کبھی کبھار بوقتِ ضرورت توجہ اور مشغولیت کا وہ ایک حصہ بھی (یعنی کلی طور پر) چاہنے اور پکارنے والے درماندہ دوستوں (کی نصرت ومدد خواہی) میں قربان کردیتے ہیں۔

اشارہ وکنایہ میں کہی گئی آپ کی پُر مغز اور جاندار گفتگو سے میں اچھی طرح جان گیا کہ حضور قبلہ کا سانحۂ ارتحال میری موت سے پہلے ہی واقع ہونے والا ہے، لیکن مجھے یہ اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوا کہ بنسبتِ عالمِ دنیوی حضور عالی کی روحانی توجہ ہم غلاموں کی طرف عالمِ برزخ میں اور زیادہ ہوجائے گی۔

.................(حاشیہ گزشتہ صفحہ)..................

۱؎ "اے آنے والے! فقیر کی ادب گاہوں میں بے باکانہ قدم نہ رکھ، کیونکہ بوریا کے نیستان کا شیر محوِ خواب ہے۔"

۲؎ ترجمہ: "علام الغیوب (ذاتِ باری) کے خاص بندے عالمِ روحانیت میں دلوں کے جاسوس ہیں"۔] واضح رہے کہ اس سے مراد دنیائے روحانیت کی جاسوسی ہے۔ جس کو شریعتِ مطہرہ میں "فراستِ مومن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳؎ "اسرارِ خداوندی سے سرشار محبوبانِ خدا حاضرین کے بال بال اور ایک ایک حال سے باخبر ہوتے ہیں"۔

"وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" (پ۱۱ سورۃ توبہ۔)

اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

روح البیان ج ۳ درج بالا آیت کے تحت ہے:

وَ رُوْحُ الرسولِ يَرَاهُ بِنُورِ نبوته وارواحُ المومنيْن بِنُورِ اِيمَانِهم .

رسول پاک اپنے نور نبوت اور کاملین اہل اللہ اپنے نور ایمان سے دیکھتے ہیں بایں وجہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم "اِتَّقُوْا فراسةَ المومن فانه يَنْظر بِنُورِاللهِ" (ترمذی شریف)

(یعنی مومن کی نگاہِ فراست سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

قال الشوکانی: "هُوَ حَدِيثٌ صَحَّحَه الترمذی فاِنَّه اَفادَاَن المُؤمِنَ من عبادالله يَبْصُرُ بِنُورِ الله"

(غیر مقلد امام، قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔) (دیکھیے رسالہ توبہ نامہ عربی ص ۱۱، قاضی شوکانی۔ (مترجم))

اس منقول شدہ روایت کے بالکل مناسب اور مطابق ایک دوسری روایت بھی نقل کی جاتی ہے (پڑھیے، سر دھنیے، اور ایمان کو تازگی بخشیے)

دل سے جو بات نکلتی ہے

منقول ہے کہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کے ساتھ مہار شریف اپنے حجرۂ خاص میں تشریف فرما تھے۔ گوہرِ بحرِ حقیقت، سالکِ مسلکِ طریقت حضرت صاحبزادہ خواجہ نور الصمد شہید نور اللہ مرقدہٗ (اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مکرم کو انوار و برکات اور تجلّیات سے بھر دے) اس محفل میں حاضر تھے۔ میرے پیر و مرشد رضی اللہ عنہ نے حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے باہر جانے کا ارادہ فرمایا تو حضور صاحبزادہ والاشان نے دوڑ کر حضرت قبلہ کی نعلین کو اپنے ہاتھ سے درست کر لیا۔

آپ (وفورِ ادب اور فرطِ نیاز کی بنا پر) پریشان سے ہو گئے۔

(آپ کی اس غمگینی کو دیکھ کر) حضرت صاحبزادہ صاحب معذرت کے ساتھ عرض گزار ہوئے: ''میاں صاحب آپ ہماری تھوڑی سی نیازمندی سے اس قدر تنگ دل اور پریشان حال ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم حضرت قبلۂ عالم کے سارے صاحبزادگان اور دیگر احباب بھی، حضور قبلۂ عالم کے وصال کے بعد گھوڑوں پر زین رکھے بغیر (بلا تامل جلد ہی) آپ کے درِ دولت پر حاضری چاہیں گے۔ چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحب قبلہ حضور کی نعلین کو ہاتھ سے چھو چکے تھے، اس لیے آپ سراپا غم تھے۔ پُر جوش دل سے فرمانے لگے: ''حق تعالیٰ، حضرت قبلۂ عالم کے وصال سے پہلے ہی موت عطا فرما دے''

زبانِ اقدس سے صادر ہونے والے شدید اور بارِ خاطر لفظ سنتے ہی تمام

حاضرین دہشت زدہ ہو گئے کہ یہ لفظ اثر سے خالی نہیں ہو سکتے۔ آخر وہی ہوا جو کچھ زبان سے نکل گیا تھا کہ حضرت قبلۂ عالم کے وصالِ پر ملال سے پہلے ہی آپ نے وصالِ حق کا شربت نوشِ جان فرمالیا۔

[دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز، مگر رکھتی ہے] (مترجم)

زندگی کی بہاریں لوٹتی رہی

میاں محمد جوئیہ سے منقول ہے کہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کی اہلیۂ محترمہ آپ کی زندگی میں اکثر اوقات بیمار رہتی تھیں، لیکن حضور عالی جناب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحبت و زیارت کے لئے مہار شریف میں آمد و رفت کے معمول میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی روا نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ یوں اتفاق ہوا کہ حضرت مائی صاحبہ (اہلیۂ محترمہ) رضی اللہ عنہ بہت زیادہ بیمار ہو گئیں، یہاں تک کہ کفن کا انتظام بھی کر لیا گیا، مگر میرے قبلہ نے (ان نازک گھڑیوں میں) مرض کی اس قدر شدت کے باوجود مہار شریف کی طرف جانے کی مکمل تیاری کر لی۔
مخلوقِ خدا حیران تھی کہ رفیقۂ حیات کو تنہا چھوڑ کر سفر کا ذہن کیسے بنا لیا ہے؟ جب آپ اپنے اس عزمِ پیہم کے ساتھ حاجی پور شہر سے باہر نکل آئے اور بے شمار لوگ تعظیم اور رخصت کی غرض سے رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے ہر شخص کو رخصت دی۔ حضرت قبلۂ عالم کے غلاموں اور میرے قبلہ کے خدام میں سے ایک شخص میاں محمد موسیٰ تھا جو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر جو کچھ بھی کہنا ہوتا، بہ جرأتِ تمام بے تحاشہ کہہ دیا کرتا۔ (شخصِ مذکور) حضور والا کے قریب ہوا اور بڑی دلیری سے منہ پھاڑ کر بولا:
"میاں صاحب! مریضہ (رفیقۂ حیات جان بلب ہے) تم اسے تنہا چھوڑ کر پیر

مرشد کی بارگاہ میں حاضری دینے جارہے ہو۔ شاید تمھیں سچی اور کھری باتیں کہنے والا کوئی نہ رہا، جیسے تو کررہا ہے اسی طرح کوئی نہیں کرتا۔"

مگر (حلم وحوصلہ اور قوتِ برداشت کے کوہِ گراں) حضور عالی جناب میاں محمد موسیٰ کے قریب ہوکر چپکے سے کان میں کہنے لگے:

"میاں! مریضہ کو ابھی موت نہیں آنی ہے۔" (یہ سنتے ہی میاں جی کے ہوش اڑ گئے) اور خوفزدہ ہوگیا۔ کچھ بھی کہنے کی سکت باقی نہ رہی۔ آخر وہی کچھ ہوا کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہ اس قریب الموت مرض سے شفایاب ہوگئیں، بلکہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد تیس ۳۰ سال تک زندگی کی بہاریں لوٹتی رہیں۔[1]

پانی پانی کرگئی:

میاں محمد جوئیہ سے منقول ہے کہ مجھے عادت پڑگئی تھی کہ قضائے حاجت سے فراغت کے بعد اسی جگہ کھڑا ہوکر اپنے پاخانہ کو دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آنحضور والا

---

[1] [کون کب مرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ خوب جانتا ہے اور اولیاء اللہ وکاملین اس کی عطا سے ضرور جانتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

" کہ شیخ بہاؤالدین الاخمیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی بیماری کے دوران زائرین کی پریشانی کو دیکھ کر فرمانے لگے میں اس تکلیف کے باعث نہیں مرتا، حاضرین عرض گزار ہوئے آپ نے کس طرح جان لیا ہے۔ فرمایا مجھے خود ملک الموت نے خبر دی ہے کہ تیری عمر ۸۵ سال ہے" (المنن الکبریٰ ص ۵۰۰)

"ابن بکار نے کہا ہے کہ ہم نے مَقیصہ نامی شہر میں صبح کی نماز باجماعت ادا کی۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہا، "لوگو! اِنّی رَجلٌ من اَھل الجنۃ وانی اموت الیوم، میں ایک بہشتی مرد ہوں اور میں نے آج ہی مرجانا ہے۔ جسے بھی کوئی حاجت درپیش ہو تو میرے ہاں آجائے، عصر کے وقت وہ مرد خود آگاہ سجدہ کی حالت میں خدا کے حضور جا پہنچا۔" (المنن الکبریٰ عربی ص ۱۷۳) ان واقعات کی روشنی میں " آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں " مرقومہ بالا مصرعہ کا مفہوم درست نہیں لگتا۔ کاملین اس سے ضرور مستثنیٰ ہیں یا اس کی تاویل یعنی ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا۔]

(مترجم)

شان نے میری سرزنش فرمائی کہ یہ کیا عادت بنا رکھی ہے کہ اپنے پاخانہ کو دیکھتا رہتا ہے۔
اس قسم کی باتوں کا لبِ لباب یہ ہے کہ آنحضور والا شان اپنے ارادت مندوں، بلکہ
ایک جہان کے احوال پر بطریقِ کمال اطلاع و آگہی رکھتے تھے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ
میرے قبلہ حضور نے راقم الحروف کو حکم دیا کہ فراغت کی گھڑیوں میں کتاب صحیح مسلم مع
شرح لکھ کر مجھے دیجیے۔ بندے نے اس ذمہ داری کو بخوشی قبول کر لیا۔ کچھ مدت بعد
جب میں پھر زیارت سے مشرف ہوا تو یوں عرض پرداز ہوا:

حضور! میں اس وقت فارغ بیٹھا ہوں۔ کتابِ مذکور میرے حوالے کر دیجیے۔

چونکہ حضور والا، میرے غفلتِ احوال پر اپنے نورِ باطن سے مطلع تھے۔ (اس کے ساتھ
یہ بات بھی پیشِ نظر تھی کہ) درسی کتب اور اس کی شروح لکھنے، علم ظاہری کی تعلیم پانے
والے طلبہ کے ساتھ مصروفیت و مشغولیت کی بنا پر یادِ حق اور ذکر بالجہر (جیسی نعمتِ غیر
مترقبہ) سے محرومیت کا شکار ہو چکا تھا اس لیے مجھے یہی جواب باصواب عطا فرمایا:

"میرے واسطے کتاب لکھنے کی بجائے اپنے آپ کو یادِ مولیٰ میں مصروف و
مشغول رکھیے۔" بوقتِ رخصت خدمتِ عالیہ میں وہی عرض پھر دہرایا، مگر (آنحضور
ذی شان) میری بار بار گزارش کے جواب میں تکرار کے ساتھ یہی فرماتے رہے:

"اپنے آپ کو یادِ حق میں مشغول رکھ، اپنے آپ کو یادِ حق میں مشغول رکھ"۔

آخر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ، میرے قبلہ حضور رضی اللہ عنہ کی روحانی و نورانی توجہ اور امداد و
برکات سے اس بندے کو اپنی یاد کی توفیق ارزانی عطا فرمائے اور اسے میرا رفیق بنائے
، تاکہ میرا سرمایۂ حیات، غفلت اور بے ہودگی کی نذر نہ ہو جائے اور حضور قبلہ رضی اللہ

عنہ کے الفاظِ کریمہ کے مطابق جو آپ نے اپنے مرقومہ بالاتحریر شدہ رقعات (طیبات) کے عنوانات میں بندہ کے حق میں دعائے توفیق اور حق تعالیٰ کی مرضی کو پانے میں مرقوم فرمائے اور (ان کے طفیل) میرا خاتمہ دارین کی سعادتوں پر فرمائے، آمین

فراستِ مومن کے چند واقعات

میاں محمد جوئیہ سے ایک اور روایت بھی منقول ہے، جو میرے حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے عقیدت مندوں اور دوستوں میں ایک ایسے با اعتماد آدمی تھے۔ حضورِ والا کے صاحبزادے بلند اقبال جناب حضرت حافظ محمد صاحب دام اقبالہ و برکاتہ کی شادی خانہ آبادی کی تیاری ہو رہی تھی۔ (میاں محمد جوئیہ یا ایک اور نسخہ کے مطابق میاں جان محمد کو) اپنی اہلیہ محترمہ کے حسبِ منشاء ریشمی اور چھاپہ دار کپڑوں کی خریداری کے لیے اوچ شریف جانے کا حکم صادر فرمایا۔

(بقولِ میاں جان محمد) میں نے کپڑوں کی خریداری میں کچھ بددیانتی برتی۔ کپڑوں کی قیمت میں اصل قیمت سے کچھ اضافہ کر کے دوسرے کاغذ پر حساب بنا کر پیشِ خدمت کیا۔ آپ خود ہی فرمانے لگے: ''کپڑوں کی تفصیلی قیمت اور کاغذ پر حساب وکتاب لکھ کر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے تو نے جو کچھ کیا سب درست ہے۔ تو نے سارا نفع ہی نفع کمایا ہے۔'' ہر چند میں حساب بتانے کے لئے بار بار عرض گزار رہا، مگر جب حضور پریشانِ خاطر ہوئے تو بولے: ''میرا سراپا وجود حساب ہو گیا''۔ ایک دو جوڑوں کی قیمت سنی ہی تھی کہ بول اٹھے:

''یہ جوڑا تو نے اس قیمت پر خریدا ہے مگر کاغذ پر قیمت کیوں زیادہ لکھ دی ہے؟ (یہ بھی بتاؤ کہ) تم نے اپنے لیے جو چیزیں خریدی ہیں، ان کی قیمت کہاں سے ادا کی

ہے؟'' آخر میں اپنی بد دیانتی پر شرمندہ ہوا (اور معذرت طلب کی)۔

اس قسم کی ایک اور روایت بھی قابلِ تحریر ہے۔

ایک مرتبہ آپ فاضل پور جلوہ افروز تھے۔ میں بھی (میاں محمد جان) خدمتِ عالیہ میں ساتھ تھا۔ وہاں کے لوگ آپ کی خدمتِ اقدس میں جو نذر و نیاز لاتے اسے میں بحیثیت خزانچی لے لیتا اور مجھ سے اس امانت میں کچھ خیانت واقع ہوگئی۔ جب رات کے وقت کچھ گڑ اور اس قسم کی کچھ اور نذر و نیاز خدمت میں پیش کرنے لگا تو فرمانے لگے: ''ہمیں تو ان کی ضرورت نہیں ہے، مگر تجھے تو اجازت ہے۔ ان ساری مٹھائیوں کو اپنے کام میں لاسکتا ہے۔'' میں نے جس قدر بھی اصرار کیا کہ حضور! یہ سب کچھ آپ ہی کا ہے قبول فرمالیجیے، مگر فرمانے لگے: ''(لوگوں کی بھرپور محبّت سے دی ہوئی) مصری، تو خود کھا جاتے ہو اور گڑ مجھے دینے پر اصرار کرتے ہو۔ (کیا انصاف و دیانت اور) اخلاق کا یہی تقاضا ہے۔'' (یہ سن کر) میں شرم سے آب آب ہوگیا۔

شانِ استغناء

میاں یار محمد پچار موصوف، ہمارے قبلۂ ایمانی، محبوبِ ربانی (خواجہ نور محمد ثانی) سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبّت و عشق کرنے والے یارِ صادق تھے، ان سے منقول ہے کہ جس وقت حضورِ عالی جناب حاجی پور شریف اپنی اندرونِ حویلی خاص میں کنویں کی کھدوائی میں مصروف تھے۔ یہ ایسا صدقۂ جاریہ ہے کہ جس کے فیوض و برکات ہمیشہ ہمیشہ جاری و ساری رہیں گے۔ بندہ (میاں یار محمد پچار) خدمتِ عالیہ میں زیارت سے مشرف ہوتا رہا۔ اور اس کنویں پر زرِ کثیر خرچ ہو رہا تھا۔ میں آپ سے رخصت طلب کر کے اپنے گھر پہنچا اور چاندی کا ایک کنگن اٹھائے، پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگیا اور قبلۂ اقدس کی بارگاہ میں وہ کنگن نذر کیا اور (یوں عرض پرداز ہوا):

''زیادہ تو نہیں، البتہ ایک دو آدمیوں کی مزدوری نکل آئے گی۔ حضور! بندے کی طرف سے شرفِ قبول فرمائیے۔''

[کچھ پاس نہیں ہے میرے کیا نذر کروں میں تیرے] (مترجم)

زبان (فیض ترجمان) سے فرمانے لگے: ''اے فلاں (یار محمد)! تو ایک غریب اور مسکین آدمی ہے۔ ہم تجھ سے کچھ نہیں لیتے۔ ہم فقیروں اور درویشوں کے کام محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (پردۂ غیب سے بطریقِ احسن) انجام پذیر ہوتے ہیں۔''

میں نے ایک دو بار پھر گزارش کی، مگر آپ نے پذیرائی نہ بخشی۔ آخر ایک دن اپنے حجرۂ خاص میں اکیلے بغرضِ قیلولہ محوِ استراحت تھے۔ میں جسم مبارک کو دبانے کے بہانے اندر جا گھسا اور پھر وہی التجا دہرائی کہ قبلہ! از راہِ کرم (میری نذر قبول فرمالیجیے۔) مگر آپ نے پھر بھی وہی جواب دیا (کہ یار محمد تو ایک مرد مسکین ہے)۔ جب میں سراپا ملتجی ہوا، تو تقدیرِ الٰہی کا ایک (عجب) نظارہ دیکھا۔ وہ یہ کہ بادو ہوا چلے بغیر حجرۂ شریف میں پڑی چٹائی کا ایک حصہ خود بخود الٹا ہو گیا۔ میری نظر اس جانب اٹھ گئی کیا دیکھتا ہوں، کہ اس چٹائی کے نیچے والی تمام زمین سونا ہی سونا ہے اور پھر اس اٹھی ہوئی چٹائی کا کونہ اپنی اصلی اور پہلی حالت پر آ گیا۔

اس عجیب وغریب چشم دید اور (چشم کشا) واقعے سے مجھ پر دہشت چھا گئی۔ میں باہر دوڑا اور (اس پُراسرار معاملہ سے) میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضور قبلہ کی ناراضی اور خفگی کی وجہ سے ہی یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ آخر حجرے کے باہر دروازہ پر بیٹھ گیا اور دل میں یہ پختہ خیال کیا کہ جب حضور قبلہ، قیلولہ کے بعد باہر جلوہ افروز ہوں گے۔ اگر مجھے بلا کر پانی کا لوٹا بھرنے کو ارشاد فرمائیں گے تو مجھے تسلّی ہو جائے گی کہ حضور مجھ پر خوش ہیں اور اگر خدانخواستہ مجھے یاد نہ فرمایا، بلکہ کسی اور کو سعادت بخشیں گے تو میں اچھی طرح جان لوں گا کہ قبلہ حضور بندے پر ناراض ہیں۔

(قیلولہ فرمانے کے بعد) جب باہر تشریف لائے تو مجھے یاد فرمایا اور پانی کا لوٹا بھرنے کا حکم دیا۔ اس سے میرے (دلِ ناتواں) کو تسلی و تشفی نصیب ہوئی اور پھر مجھے یقین ہو گیا کہ حضور عالی جناب رضی اللہ عنہ نے جو قرض اٹھایا وہ محض ایک بہانہ اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی بنیاد پر تھا۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ بلا ریب فتوحات اور غیب کے خزانے آپ کے قبضۂ اختیار سے باہر نہیں ہیں۔ ؁

[نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں]

☆ میاں محمد جوئیہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اس کنویں کی کھدائی کے دوران میاں محمد موسیٰ (حضور کا مقرر کردہ منشی، خزانچی) بمشکل اور بھرپور جفاکشی سے کنواں کھودنے والے مزدوروں کے حساب کی فہرست بنا کر حاضرِ خدمت ہوا اور یوں عرض گزار ہوا: حضور! ہندو سے اتنی رقم قرض کے طور پر اٹھا چکا ہوں اور اگر اسی طور طریقے پر کنویں کا تعمیراتی کام جاری رہا تو اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہزاروں روپے اور بھی خرچ ہو سکتے ہیں۔ حضور قبلہ یوں لب کشا ہوئے کہ اس قسم کی (خلافِ توکل) باتیں میرے سامنے نہ کیا کرو۔ جب یہ کام (بفضلِ ربی) پایۂ تکمیل کو پہنچ پائے، پھر حساب و کتاب کے متعلق بتا دینا، ہم سن لیں گے۔ قادر و قیوم ذات جل شانہ (پردۂ غیب سے محض اپنے فضل و کرم سے) آسانیاں پیدا فرما دے گا۔

الغرض حضور (سراپا متوکل شخصیت) کے روک دینے کا سبب اور مقصد یہ تھا کہ بے شمار رقم خرچ ہونے کا خیال کہیں آپ کو (ایک گھڑی کے لیے بھی) حضور مع اللہ سے روک نہ دے۔

؁ قرآن کریم میں ہے کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ.
(پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء)
''اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔'' (کنز الایمان)

[پس از سی سال این معنی محقق شد با خاقانی

کہ یک دم بخدا بودن بہ، از ملکِ سلیمانی][1]

اور یہ خیال سلوک کی راہ میں ڈکیت ثابت نہ ہو۔ حضور قبلہ کے حسبِ فرمان چند دنوں میں ہی ہندو سے لیا ہوا قرض ادا ہو گیا اور یہ (راز) کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ روپیہ پیسہ کہاں سے آیا اور کیسے ادا ہو گیا۔

لڑ پیر کامل چھوڑ نہ

میاں ''محمد دہکانہ'' مرحوم، حضور قبلۂ ابرار کے دربارِ دُربار کے قوال تھے۔ انھیں سے منقول ہے کہ راجن پور کے رہائشی میاں محمد نامی شخص، جو کہ ''میاں محمد اُنْ تُحُبْ'' کے نام سے مشہور تھے۔ وہ ایک عورت کے عشق میں مبتلا تھے۔ اپنی محبوبہ و معشوقہ کے وفورِ عشق میں میل و ملاپ کے لیے حیران و پریشان اور سرگردان رہا کرتے۔ ایک مدت بعد معشوقہ کے ساتھ اختلاط اور وصل و وصال کی گھڑیاں میسر آئیں کہ شہر سے باہر ایک خالی مکان میں دونوں اکٹھے ہوئے۔ فساد سے بھری ہوئی ان (قابلِ افسوس) ساعتوں میں حضرت قبلۂ قدس سرہٗ دو تین غلاموں کے ہمراہ اچانک راجن پور میں پردۂ غیب سے جلوہ نما ہوئے۔ نزولِ اجلال فرماتے ہی ایک شخص کو اس جگہ کی نشاندہی کر کے حکم فرمایا: ''جائیے! فلاں جگہ میاں محمد ایک نامحرم عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ دوڑتے جائیے اور اسے روکیے، بلکہ پکڑ کر میرے پاس لائیے۔'' شخصِ مذکور دوڑتا بھاگتا وہاں پہنچا اور اسے پکڑ لایا اور خدمتِ عالیہ میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسے تنبیہ و تادیب اور ملامت فرمائی۔

[1] یعنی ''تیس سال بعد خاقانی پر یہ راز آشکارا ہوا کہ ایک گھڑی یادِ مولیٰ میں مشغول رہنا ملکِ سلیمان (علیہ السلام) سے بہتر ہے۔'' (مترجم)

[حسنِ فانی بھی حسن ہے کوئی

عمر کو کیوں تباہ کرتے ہیں]

(ریاض نعیم، سید نعیم الدین مراد آبادی، از مترجم)

اور یوں اپنے اس غلام کو ہلاکت و بربادی کی راہ سے نجات کا سامان فراہم کیا۔
الغرض قدسی صفات کے (وہ مہ رو) قبلہ حضور، محافظت فرمانے والے فرشتوں
کی طرح اپنے غلامان اور خادمان کی نگرانی و نگہبانی کیا کرتے تھے۔
(وہ پیکرِ حسن و جمال) کس طرح نگہبانی نہ فرماتے جبکہ ہر اس شخص نے آپ کا
دامنِ فیض رساں تھاما ہوا تھا، جو امیدوارِ سعادتِ دارین و نجات ہے۔
اسی طرح ایک اور روایت بھی منقول ہے کہ حضور عالی جناب کے ایک غلام نے
ایک عورت کی طرف شہوت بھری نظر ڈالی۔ رات ہوئی تو خواب میں دیکھا کہ عذاب
دینے والے فرشتے اس قسم کے پیشہ ور بدنظر لوگوں کو تانبے کی دیگ میں ڈالے، دیگ
آگ پر رکھ کر بھون رہے ہیں۔
صبح خوابِ مذکور کی دہشت (چشم دید ہولناک عذاب کے مشاہدے) کے بعد
لرزتے کانپتے بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوا اور عرض کی: کیا نامحرم اور بیگانہ عورت کو دیکھنے
سے سخت عذاب ہوا کرتا ہے؟ حضور عالی مرتبت یوں گویا ہوئے:
''جس کام کی سزا تو خود ہی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ اس مشاہدے کے بعد
پھر مجھ سے سوال کرنا کیا حیثیت و وقعت رکھتا ہے۔''

[''شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ''

''سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کے مقابلے میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔'']

مگر وہ مرید زبانِ حال سے یوں عرض پرداز ہوا:

اے ہادیٔ برحق، تیری ہر بات ہے سچی
دیدہ سے بھی بڑھ کر ہے ترے لب سے شنیدہ] (حفیظ تائب، از مترجم)

نہ علماں وچ پھسا سانوں

میاں محمد بری مرحوم، میرے حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے خادموں اور حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں سے تھے۔

مرحوم موصوف سے منقول ہے کہ ایک بار شاہِ نارووال رضی اللہ عنہ بہت سے بزرگان اور علماء کی ہمراہی میں حضرت غیاث العاشقین، سند الواصلین، فرد الطریقت، قطب الحقیقت حضرت خواجہ قبلہ عالم قدس سرہ (سراپا رشکِ بہار شخصیت) کی زیارت کی نیت سے مہار شریف کی طرف راہی ہوئے۔ شیخ واہن کے باسی نیکوکارہ حافظ یحیٰی نابینا کی مسجد میں رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت حافظ صاحب موصوف ایک عالم فاضل مرد اور علمِ حدیث میں اچھی مہارت کے حامل تھے۔ حضراتِ بزرگانِ دین قدس سرہم کے تشریف لاتے ہی (حافظ موصوف) نے ایک بحث چھیڑ دی اور ایک حدیث شریف کا معنی و مفہوم پوچھنے لگے اور مشکل سوال کر ڈالا۔ جملہ بزرگان اسے جواب دینے سے خاموش رہے۔

والا مناقب (فاضلِ علومِ درسیہ) مولانا مولوی محمد اکرم راجن پوری، ذوالمجد والمواہب حضرت قاضی محمد عاقل صاحب قدس سرہ، قاضی درویش صاحب اور دیگر علمائے کرام میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔

(ایسے علمی ماحول میں حضراتِ صوفیہ کا علم جانچنے، پرکھنے اور تولنے والے کو مسکت اور

دندان شکن جواب دینا بہر صورت ضروری تھا، اس لیے آسمانِ علم و فضل کے نیرِ تاباں، آفتابِ شریعت اور ماہتابِ طریقت) میرے قبلہ رضی اللہ عنہ نے میاں محمد بری کو (بلا کر) فرمایا: (تاج الشریعہ محمد بن احمد بن عبید اللہ کی تصنیفِ لطیف) وقایہ کے متفرق اجزا، جسے آپ سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے، اٹھا لائیے۔ میاں محمد بری کہتے تھے کہ میں وہ متفرق اجزا اٹھا لایا۔ آپ نے اس سے ایک لکھا ہوا کاغذ باہر نکالا اور مجھے عطا فرمایا کہ حضرات بزرگان میں سے کسی کو دے دیجیے، تا کہ وہ حافظ موصوف کو اس کے خدشے کے جواب میں سمجھا سکیں۔ میں نے کاغذ پیش کیا۔

حضرت حافظ جی جواب سنتے ہی دم بخود ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے فرزندِ ارجمند میاں عبد الغفور کو آواز دی کہ علماء کی اس مقتدر جماعت کو دعوت دینا ہمارے لیے ضروری ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ حضرات علمی قوت اور طاقت میں ہم سے بازی لے گئے ہیں۔

[ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد [1]   (شیخ سعدیؒ)

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد] [2]

حضراتِ صوفیہ کی اس جماعت نے حافظ جی کی دعوت طعام تناول فرمائی، مگر میرے قبلہ قدس سرہ نے اپنی دال روٹی تناول فرمائی۔ چونکہ اس کی دعوت (جوہرِ صدق و صفا اور) دلی رغبت و شوق سے عاری تھی۔ غرضیکہ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کو مکمل علمِ لدنی (بفضلِ ربانی وہبی اور عطا شدہ علم) حاصل تھا۔

[1] (ہر دشت و بیاباں کو خالی نہ سمجھ، بسا اوقات اس کے کسی ایک مخفی گوشہ میں شیر محو خواب ہوتا ہے۔)

[2] ''مٹی میں آلودہ لوگوں کو نظرِ حقارت سے نہ دیکھا کیجیے۔ اے تحقیر آمیز انداز میں دیکھنے والے! تجھے کیا معلوم کہ اسی گرد و غبار میں طریقت و حقیقت کے شہسوار بھی ہوتے ہیں۔''   (مترجم)

حالانکہ علمِ ظاہری (کتابی علم) کو ایک عرصہ سے ترک کیا ہوا تھا اور مشغول بحق رہتے تھے۔ اکثر دینی مسائل اور علمِ ظاہری کے مباحث انھیں اچھی طرح یاد تھے۔ جیسا کہ اس بندے نے بعض مسائل کے متعلق خدمتِ اقدس میں سوال کر کے اس حقیقت کو بخوبی جان لیا تھا۔

اس جیسی ایک اور روایت بھی مشہور و معروف ہے۔ جب میرے قبلہ رضی اللہ عنہ، حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی رفاقت و معیت میں ایک بار سیت پور جلوہ افروز ہوئے، مولوی علی محمد جیو (مرحوم) نے فقہ کی کتاب سے ایک عبارت حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی رفاقت میں جلوہ فرما حضراتِ علماء کی خدمت میں پیش کی۔ اس عبارت کا معنی و مفہوم بظاہر درست نہ لگ رہا تھا۔ اس (قابلِ رشک) بابرکت صحبت میں شریک مولانا مولوی محمد اکرم (ڈیروی یاراجن پوری) مفہوم عبارت کو نہ سمجھ سکے، اس لیے جواب دینے سے قاصر رہے۔ آخر وہ عبارت میرے قبلہ حضور کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ حضور والا نے اس (دقیق) عبارت کو کچھ ایسے ربط و ضبط اور سلیقہ و طریقہ سے پڑھ لیا کہ محض پڑھتے ہی وہ پیچیدہ اور مشکل مقام خود بخود حل ہو گیا۔

شاہِ نارووالہ وقت کے گنج شکر

میاں محمد بری مرحوم سے ایک اور روایت بھی منقول ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب میرے حضور قبلہ رضی اللہ عنہ کے سانحۂ وصال کے بعد بعض برادرانِ طریقت اور یہ بندہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مہار شریف حاضر ہوئے تھے۔ ایک روز میرے قبلہ رضی اللہ عنہ کی قبر شریف پر تعمیرِ روضہ کے متعلق حضور قبلۂ

عالم رضی اللہ عنہ کے سامنے تذکرہ چھڑا۔ کسی دوست نے کہا کہ حضور خود ہی فرماتے تھے کہ میری قبر پر کچھ بھی تعمیر نہ کرنا، تاکہ رحمتِ آسمانی کے نزول میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ (یہ سن کر) حضور قبلہ عالم نے فرمایا: ''تم نے تو میاں صاحب کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کو جانا ہی نہیں۔ ان کے (مرتبہ و مقام والے) گھوڑے کی باگ جہاں چاہتے ہو موڑے جاتے ہو۔ کیا تم میاں صاحب کی قدر و منزلت حضرت سیدنا شیخ فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کی رفعت و شان سے کمتر دیکھتے ہو۔ جس کی وجہ سے قبر شریف پر قبہ بنانے سے اجتناب برت رہے ہو۔ جاؤ اور جلد ہی روضے کی تعمیر کا کام عمل میں لاؤ۔ ان کے دل کا نور ہی کافی ہے۔ انھیں آسمانی نور کی حاجت نہیں۔'' پھر ہم حضور کی خدمت میں یوں عرض پرداز ہوئے:

حضور! جگہ تو بالکل ہی تنگ ہے۔ آنحضور قبلہ کے روضہ اور آپ کے قبلہ گاہ (والد گرامی) میاں صالح محمد مرحوم کے مزار شریف کے درمیان سے گزرنا یقیناً بے ادبی ہوگی، چونکہ دونوں قبریں ایک دوسرے سے مکمل طور پر ملی ہوئی ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے (غنچہ دہن سے نکلے ہوئے) موتی یوں ترتیب پائے:

''کوئی مسئلہ نہیں، کچھ بھی فکر نہ کیجیے جس وقت روضہ شریف کی تعمیر کا کام تکمیل پذیر ہوگا۔ روضہ کے اندر کی جگہ خود بخود فراخ اور کشادہ ہوتی چلی جائے گی۔ آخر کار وہی کچھ ہوا، جو حضور قبلۂ عالم کے دہن مبارک سے نکلا تھا۔ یعنی روضہ مبارک کے اندر اور باہر ایک فراخ میدان نظر آتا ہے، حالانکہ دیوارِ روضہ کی وسعت و پہنائی صرف چند ہاتھ تک (محدود) ہے۔

عقیدتوں کے گلاب

راقم الحروف (محمد گھلوی) ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مذکورہ بالا (ایمان افروز اور روح پرور) روایت سے مرید کی فوقیت و برتری پیر کی ذات گرامی پر ظاہر ہو رہی ہے، کیونکہ ناظرین قبل ازیں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور قبلہٴ عالم رضی اللہ عنہ نے میرے قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو قدر و منزلت اور شان و رفعت میں شیخ العالمین حضرت سیدنا خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے برابر قرار دیا ہے۔ میرے قبلہ حضور رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو (بفضلِ ربی وعنایتِ ربانی) کیا خوب اور قابلِ رشک جوہرِ لطیف اور عنصرِ شریف عطا کیا گیا کہ آپ شریعت، طریقت اور حقیقت کے جامع تھے۔ ہر اعتبار سے شریعتِ مطہرہ کا پاسِ ادب آپ کی ذات والا صفات میں بطریقِ اتم موجود تھا۔ یہاں تک کہ شریعت پاک کے آداب و مستحبات نظر انداز نہ فرماتے اور ہمیشہ طہارتِ کاملہ کے ساتھ رہا کرتے، بلکہ نیند کے وقت بھی طہارت کے باوجود تازہ وضو فرما لیا کرتے۔

اپنے جملہ غلاموں پر شفقت کریمانہ کا کیا کہنا ہر غلام اور خادم یہی تصور اور نظریہ قائم کیے ہوئے ہوتا کہ حضور کا جس قدر لطف و کرم مجھ پر ہے، ایسا شاید ہی کسی دوسرے پر ہو۔ یقیناً آپ کی ذات شریفہ کی مثال اس جہان (رنگ و بو) کو نور و سرور بخشنے والے اس آفتاب کی سی تھی جو بیک وقت سب پر برابر برابر چمکتا و دمکتا اور نور بکھیرتا نظر آتا ہے۔

آپ مجاہدہ، آدابِ ریاضت اور مراتبِ طریقت کی بجا آوری میں یوں مصروف و مشغول ہوتے کہ محفل مبارک میں کسی شخص کو بھی امورِ دنیوی کے ذکر کی جرأت نہ ہوتی، بلکہ حضور اعلیٰ میں اگرچہ ہزاروں کی تعداد میں عام و خاص حاضر ہوتے، مگر جاہ و جلال اور حشمت و دبدبہ کی بدولت آپ کی مرضی و منشا کے بغیر ہر شخص بولنا تو کجا سانس

بھی آہستہ لیتا اور سر جھکائے خاموش رہتا۔

[ساہ جھن کے جھات پانواں　　ہولے ودی الانواں
ڈیکھاں تاں چوری چوری　　جندڑی بچانوڑی تھئی] (یتیم جتوئی)

حضرات صوفیہ کے ان چاروں ارکان "قِلَّةُ الطَّعَامِ ،قِلَّةُ الْكَلَامِ ،قِلَّةُ الْمَنَامِ ،وَ قِلَّةُ الْاُخْتِلَاطِ مَعَ الْعَوَامِ،، کم کھانا، کم بولنا، کم خوابی اور عوام سے میل وملاپ کم رکھنا کی بہت زیادہ رعایت ملحوظِ خاطر رکھتے۔ کھانے پینے کے وقت حاضرینِ جماعت کے ساتھ اس طرح نظر آتے کہ دو تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے اور اسی طرح پانی بھی بہت کم ہی نوشِ جان فرماتے۔ (آپ کی) خاموشی و سکوت اور شانِ استغراق (تصورِ محبوب میں یوں گم ہونا کہ غیر کی خبر نہ رہے) کا وصف کیا بیان کروں۔ حضور قبلۂ عالم کے کسی بھی خلیفہ میں ایسا سکوت نہیں دیکھا گیا۔

[شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو] (علامہ اقبالؒ)

بقدرِ ضرورت ذرا سی دیر کے لیے سو لینا، تا کہ زیادہ دیر جاگنے میں معاون و مدد گار ثابت رہے حضرت میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اپنے مریدین، معتقدین اور دیگر لوگوں سے صحبت و مجلس بھی محض فیض رسانی کی غرض سے ہوا کرتی تھی، وگرنہ حضور عالی جناب کا قلبِ مبارک عام لوگوں کی دوستی اور میل ملاپ سے کھچا کھچا رہتا تھا۔ چند دن اپنے گھر پر گزارتے، پھر اپنے اہلِ خانہ کی اجازت سے اکثر اوقات ملتان شریف مسجد چار یار میں گوشہ نشینی اختیار فرماتے۔

[گوشۂ عزلت کو سمجھ تخت شہی
کیا کرے گا تو اے عبث ملکِ سلیماں لے کر] (مترجم)

خادموں میں سے ایک دو کے سوا اور کوئی بھی ساتھ نہ ہوتا تھا۔ حضراتِ صوفیہ کرام کی سچی (اور دل آویز) باتوں سے یوں ذوق و وجدان اور (راہِ) معرفت کی پوشیدہ باریکیاں اور نکات ظاہر فرمایا کرتے۔ (یہی وجہ تھی) کہ حضرت شیخ المشائخ، مظہرِ اسرارِ صمدانی حافظ محمد جمال ملتانی قدس سرہ نے اس بندے (گھلوی) کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ جس زمانے میں ہم تینوں دوست، یعنی میرے قبلہ (شاہ نور محمد ثانی ناروواله)، حضرت قاضی محمد عاقل صاحب اور بندہ (حافظ محمد جمال رضی اللہ عنہ) مہار شریف میں حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے حضور (علمی و روحانی) باریک نکات پر مشتمل کتب مثلاً: لوائح جامی، سواء السبیل، تسنیم اور دیگر رسائل کا درس لیا کرتے تھے۔ جب واپس آتے تو ان اسباق کی مزید تحقیق (دہرائی اور اعادہ) کے لیے حضرت میاں صاحب، یعنی تمھارے قبلہ کی رہنمائی حاصل کرتے۔

اگر چہ ظاہراً یہ فیض حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ (کے خرمنِ علم و عرفان) سے متعلق تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا فیضان، مسائل کا ادراک اور اس کا فہم صحیح معنی میں میاں صاحب سے حاصل ہوتا تھا، کیونکہ آپ ہم سب دوستوں کو سلیس اور عام فہم انداز میں وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ آنحضور والا شان کے مناقب حدِ بیان، احاطۂ تحریر اور زبانی تقریر سے باہر ہیں، مگر میں اس قدر بیان پر اکتفا کرتا ہوں، تا کہ "مشتے نمونہ از خروارے" (ڈھیروں میں سے بطور سیمپل اور نمونہ، تھوڑی سی چیز) کی مثل صادق آسکے۔

حق جل و علا کی بارگاہِ مقدس میں لاکھوں بار زبانِ شکر و سپاس درکار ہے۔ چونکہ اس مُبرّہ و مُنزّہ ذاتِ عُلا نے اس گنہگار کو ایسے شہنشاہِ والا (شہِ خوباں کے دامن کریم) سے وابستگی کا شرف بخشا ہے۔ "الحمد لله علی ذلک حمدا کثیراً کثیرا" کہ میں اس (نعمتِ غیر مترقبہ) پر اللہ جل مجدہ الکریم کا شکر ادا کرتا ہوں۔

خلیفہ صاحب پر وجدانی کیفیت

شاہ احمد یار حضور قبلۂ عالم قدس سرہ کے غلاموں میں سے تھے۔ ان سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ محبّ النبی حضرت مولانا شاہ محمد فخر الدین قدس سرہ کے عرس مبارک کے دنوں مہار شریف میں، میں بھی اس مجلسِ عرس میں حاضر تھا۔ تمھارے شیخ یعنی حضرت خواجہ نور محمد ثانی رضی اللہ عنہ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت والا کی ذات والا صفات کو جذبۂ عشق نے کچھ یوں کھینچا کہ پہلی مرتبہ تو قدمین شریفین اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے زانو تک جا پہنچے۔ (جذب و کیف کی اس پر سرور مستی میں) جب دوسری مرتبہ قدم اٹھے تو میرے سینہ تک پہنچ پائے۔ (وارفتگی اور افتادگی کی اس قابلِ فکر حالت میں) جب تیسری بار پاؤں اٹھے تو اس سے بھی زیادہ اوپر کو جا پہنچے (تو اس وقت) صاحبِ کمال حافظ محمد جمال ملتانی قدس سرہ نے آپ کے قدم مبارک پکڑ لیے اور کہا: حضرت (قبلہ) شریعتِ مطہرہ کا خیال فرمایئے۔ یہ فرمان سنتے ہی وہ جذبہ سکون پذیر ہوگیا۔

جب قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمتِ عالیہ میں آپ پر وجد و حال کے 'ورود' اور حضرت حافظ محمد جمال رضی اللہ عنہ کے روکنے کی صورت بیان کی گئی تو حضور قبلۂ عالم خود ہی حافظ صاحب سے یوں گویا ہوئے: اے حافظ جی! تمھیں ایسی حالت میں شریعت کا حکم یاد دلانا مناسب نہ تھا؟ حضرت حافظ موصوف دستِ ادب باندھے حیران و پریشان اور شرمندہ ہوئے۔ [1]

[1] [نوٹ: ایسی اضطراری حالت میں اگر شریعتِ مطہرہ کا لحاظ نہ ہو سکے تو حرج نہیں، بلکہ شرعاً کوئی مواخذہ بھی نہیں۔ اس کے باوجود بھی ہمارے اسلاف شریعتِ مطہرہ کے احترام میں کس قدر پابندی سے کام لیتے تھے۔ جبکہ آج ہماری محافلِ سماع کی جو ناگفتہ بہ اور قابلِ زار حالت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اصولِ سماع کے سراسر خلاف محافل کا انعقاد پھر ستم بالائے ستم تصنع، بناوٹ اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ناچنا یقیناً حرام ہے۔ اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔] (مترجم)

اس عاجز (محمد گھلوی) کو حضرت شاہ صاحب (احمد یار) موصوف کی اس روایت پر چنداں اعتماد نہ آرہا تھا، اس لیے اس معاملے میں متردد و متفکّر تھا۔ مدتِ مدید کے بعد حضور قبلہ (خواجہ نور محمد ثانی) کے آستانۂ (عالیہ) کے دروازے پر یہ عاجز اور مولوی عزیز اللہ صاحب چنڑ جو عاجز کا ہم خرقہ درویش ہے ؎، ہم دونوں حضورِ اعلیٰ کے فضائل و شمائل اور اخلاق و اوصاف کا ذکر چھیڑ کر محظوظ اور مسرور ہو رہے تھے۔ (وہاں پر) میاں یار محمد پچار بھی حاضر تھے، انھوں نے بھی (مرقومہ بالا واقعہ) بالکل من و عن اسی طرح ہی بیان فرمایا کہ میں بذاتِ خود اس مجلسِ (ناز) میں حاضر تھا۔ ہمارے حضرت قبلہ کے اوج و عروج کی یہ صورت آنکھوں دیکھی ہے۔ (اس قدر صاف و شفاف دلائل و براہین کے بعد) اس عاجز اور جملہ حاضر باش پیر بھائیوں کو تسلّی و تشفّی حاصل ہوئی اور وہ سابقہ خلش و اضطراب دل سے اتر گیا۔

اس دوران مولوی عزیز اللہ صاحب فرمانے لگے: ''میں بھی حضرت مخدوم حامد بخش صاحبِ دستار (ساکن) اوچ متبرکہ گیلانیاں سے اپنے حضور قبلہ قدس سرہ سے متعلّق (وجد و حال کی) اس جیسی حالت کا ذکر بذاتِ خود سن چکا ہوں۔ بایں صورت کہ جب مخدومِ مذکور کا بہاول خان داد پوترا کے ساتھ جنگ و جدال کا وقوعہ پیش آیا تو وہ مجبوراً سکون و قرار کے حصول کے لیے جنوب کی طرف نکل گئے اور ایک رات اسلام خان کورائی کے ہاں مہمان جا ٹھہرے۔ میں بھی وہاں پر موجود تھا۔ حضرت

؎ خرقہ پوشی یا خرقہ، شیخ اور مرید کے مابین ایک رشتہ ارتباط ہے اور مرید کی جانب سے شیخ کی خدمت میں ایک ذریعہ تحکیم ہے۔۔۔ خرقہ مشائخ دو طرح کا ہوتا ہے ایک خرقہ ارادت اور ایک خرقہ تبرک۔ مشائخ اپنے مریدین کے لیے جو خرقہ اختیار کرتے ہیں اور انہیں پہناتے ہیں وہ خرقہ ارادت ہے۔۔۔ خرقہ کا راز یہ ہے کہ جب ایک طالب صادق شیخ کی صحبت میں داخل ہوتا ہے اور خود کو شیخ کی سپردگی میں دے دیتا ہے تو اس وقت وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے باپ کے پاس اور اس کی نگہداشت میں ہوتا ہے۔۔۔ خرقہ پوشی سنت رسول ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ام خالد بنت خالدہ کو بلوا کر اپنے دست مبارک سے انہیں ایک چھوٹی سیاہ کملی پہنائی اور دوبارہ فرمایا: ''اس کو پہنو اور پرانا کرو۔'' (تفصیل عوارف المعارف ص: ۲۴۶۔۲۵۵ ملاحظہ ہو، از مترجم)

مخدوم صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہاں حضرت مخدوم موصوف اسلام خان کے روبرو مجھ سے پوچھنے لگے: ''مولوی صاحب! آپ بھی کسی بزرگ سے ارادت و بیعت کا رابطہ رکھتے ہیں؟ بندہ عرض گزار ہوا: ''جی ہاں! حضرت خواجہ نور محمد ثانی قدس سرہ کی ذات سے وابستہ ہوں۔ اس کریم کا دامن ہی مضبوطی سے تھاما ہوا ہے۔''

[پیر را بگزیں کہ بے پیراین سفر

ہست بس پر آفت وخوف وخطر] [1]

مخدوم صاحب بولے: مبارک باد، تو نے دورِ حاضر کے ایک بے مثل (اور لجپال) پیر (کامل) کی صحبت و رفاقت کا دامن تھاما ہوا ہے۔

[لڑ پیر کامل چھوڑ نہ   غیراں اگوں ہتھ جوڑ نہ

شیہاں کنوں منہ موڑ نہ   ہئیں جایا جے کرڈوتھنی]

(یتیم جتوئی، مترجم)

پھر فرمایا: مخدوم ناصرالدین کلاں، جو کہ حضرت قبلۂ عالم و عالمیاں (خواجہ نور محمد) مہاروی قدس سرہ سے شرفِ بیعت رکھتے ہیں۔ انھوں نے میرے سامنے درج ذیل واقعے کو یوں بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت میاں صاحب (شاہ) نارو والہ کریم رضی اللہ عنہ (قافلۂ عشق کے میر) حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی خدمت میں مہار شریف کی طرف سفر فرما رہے تھے۔ ایک رات ہمارے ہاں بطور مہمان اقامت گزیں ہوئے۔ ہم نے استدعا کی کہ اگر حضور از راہِ کرم اس جگہ مجلسِ سماع میں

---

[1] ''کسی مردِ کامل کے دامنِ صحبت و رفاقت کو تھام لیجیے، کیونکہ یہ پیچیدہ اور پرخطر سفر (آخرت) کامل کے بغیر قطعاً طے نہیں ہو سکے گا'' (مترجم)

تشریف ارزانی فرمائیں تو پھر ہماری سعادت مندی اور فیروز بختی کا کیا کہنا۔ آپ نے ہماری التجا کو شرف اجابت بخشا اور مجلسِ سماع میں تشریف لائے اور آپ پر ایک حالتِ وجد وارد ہوگئی۔ ایک گز کی مقدار زمین سے اونچے رقص کرنے لگے۔ اس منقول شدہ روایت سے پہلی نقل شدہ روایت کی تائید ہو جاتی ہے۔

"والحمد للّٰہ علی ذلک والسلام علی من اتبع الھدیٰ"

(اور اس پر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہوں، سلام ہر اس خوش بخت پر جو ثابت قدمی سے ہدایت کی راہ پر گامزن رہا۔)

تیسری فصل

(عزتِ مآب) سیدنا حافظ محمد سلطان پوری رضی اللہ عنہ

کے فضائل وفوائد اور مناقب کے بیان میں

آپ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی (پیرومرشد حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ) کے مرید ہیں۔
اصل: درویشوں اور فقیروں کا یہ بندۂ نیاز کیش کچھ وقت آپ کی (دل افروز) صحبت
اور فیضان سے شرف یاب ہوتا رہا۔ دل میں جس قسم کا بھی خیال گزرتا، وہ بلا تکلّف
اور بلا جھجک عرض کر دیا کرتا تھا۔

عشق انسان کی ضرورت:

حضور قبلۂ عالم و عالمیاں قدس سرہ کی رکابِ سعادت تھامنے والے خلفائے
کرام، علمائے عظام، مریدین اور شہر کے باشندگان کے درمیان ایک سنا سنایا قول چلا
آ رہا تھا۔ ایک دن میں بستی یارے والی اور سیت پور کے درمیان دورانِ سفر حضرت
حافظ صاحب کے پیچھے چل رہا تھا۔
(یکا یک) دل میں یہ خیال گزرا کہ لوگوں کی زبانی یہ اڑتی اور مشتبہ خبر سن چکا
ہوں کہ حضرت حافظ صاحب اوائل عمر (عالمِ شباب) میں ایک عورت کے ساتھ شدید
محبت اور کمالِ عشق رکھتے تھے۔

[وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں (علامہ اقبال)

اگر بزمِ ہستی میں عورت نہ ہوتی

خیالوں کی رنگین جنت نہ ہوتی (کلیات ساغر)

تم نہ مانو مگر حقیقت ہے

عشق انسان کی ضرورت ہے

متاب از، عشق رو گرچہ مجازیست

کہ او بہر حقیقت کارسا زیست][1]

(وفورِ عشق کے باعث) جسم سے شدید تپش وحرارت نکل رہی ہوتی۔ گستاخی کرتے ہوئے عرض گزار ہوا: ''اس محبوبہ کی محبت والفت اور ولولۂ عشق کی بدولت لوگ آپ کے بدن سے تپش وحرارت محسوس کرتے، یا لوگ صرف مبالغہ آرائی سے کام لیتے چلے آرہے ہیں؟''

خود بدولت نے رخِ انور میری طرف موڑا اور جذبۂ کامل سے یوں لب کشا ہوئے: ''ہاں بالکل! میری حالت ایسی ہی تھی۔ نمازِ باجماعت کے وقت صف میں میرے دائیں بائیں کھڑا ہونے والا آدمی بے تحاشہ اندرونی تپش وحرارت کے باعث کچھ فاصلے پر کھڑا ہوتا۔

[آتشِ غم میں دل بھنا شاید

دیر سے بُو کباب کی سی ہے (میر)

بُوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں

شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا] (مترجم)

---

[1] ترجمہ: ''اے مخاطب! عشق مجازی حقیقت تک رسائی کے لیے پہلا ہی زینہ ہے۔ (اسے خمار گندم یا ہوس پرستی کا نام نہیں دیا جاسکتا) مجازی عشق سے روگردانی کسی صورت مناسب نہیں''۔ (مترجم)

اس کی بنیادی وجہ عشق تھا۔ وہ یوں کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دیہاتی عورت کے مہندی سے
مزین ہاتھوں کو دیکھتے ہی حضرت اس کی محبت میں مبتلا سے ہو گئے۔

[خطا معاف، نگاہوں کو کھینچ لیتا ہے حسن
خطا معاف، یہ آنکھیں نہیں ہیں پتھر کی] (مترجم)

دل جلے عاشق کا سفر

عاشقانِ پاک طینت کی طرح آپ کا پاکیزہ عشق حدِ کمال کو چھو رہا تھا۔ جیسا کہ
خود عالی جناب فرماتے کہ میں نے (اپنے ہادیٔ برحق مرشدِ کریم) حضرت مولانا
(فخر الدین دہلوی) قدس سرہ کی زیارت سے شرف یاب ہونے کے لیے آٹھ مرتبہ
سفرِ دہلی اختیار کیا۔

پہلی مرتبہ اس عورت کے کمال عشق کے زمانہ میں پند و نصیحت کرنے والوں کی
نیک تجویز کے ساتھ شرفِ بیعت کے حصول کے لیے رختِ سفر باندھا۔ رات کے
گھپ اندھیرے میں (سمت معلوم کرنے کے لیے) ستاروں پر نظر ڈال کر تنِ تنہا محوِ
سفر رہتا اور دن کو جب سورج بلندی کی انتہا کو چھو کر مغرب کی طرف ڈھلنے لگتا (تو میں
تصورِ شیخ میں ڈوب کر وارفتہ کیفیت کے ساتھ وفورِ شوق اور فرطِ جذبات میں دیوانہ وار
اپنے آفتابِ حسن، بدرِ شریعت اور خورشیدِ طریقت کے نام پر نمناک ہو کر) آسمانی
آفتاب کے ساتھ یوں عرض پرداز ہوتا:

"میرے (دل نواز) دوست کو (مجھ خستہ جاں کا) سلام پہنچا دینا۔"

جب میں دہلی شریف کے نزدیک ہوا تو (قبلۂ عاشقان) حضرت مولانا صاحب قدس

سرہ نے محفل میں موجود احباب اور معتقدین کو یوں فرمایا: ''کہ عاشقے می آید''
ایک (دل جلا) عاشق آرہا ہے۔''

اور میں (محمد گھلوی) یہ بات دوستوں سے سن چکا ہوں کہ آپ کا فرمان حق، سچ اور بجا ہے، کیونکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عشقِ مجازی میں کمال رکھتے تھے۔

[متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ او بہر حقیقت کارسازیست (مترجم)]

اور آپ عشقِ حقیقی (اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور قرب) میں اپنے کام کی تکمیل کے لیے آخری سرحدوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ فنافی الشیخ (فقر کا ایک مرتبہ جس میں مرید ہر وقت اپنے مرشد کے خیال میں ڈوبا رہتا ہے) اور فنافی اللہ (اللہ کی محبت اور معرفت میں ڈوب جانا) کی دولتِ لازوال حاصل کی ہوئی تھی اور حضرت مولانا صاحب قدس سرہ نے انھیں خلقِ خدا کی رہنمائی کے لیے خلافتِ ارشاد سے نواز دیا تھا۔ ایک مرتبہ حالتِ ذوق اور وجد وارد ہونے پر حافظ موصوف کے پاؤں کی ضرب حضرت مولانا قدس سرہ کی ران تک جا پہنچی۔ آپ پاؤں کی اُس ضرب کے بسبب ہمیشہ درد محسوس کرتے اور فرماتے:

''حافظ (ہمیں بھولے سے بھی) نہیں بھول سکتا۔ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔''

[تیری یادوں کا فسوں میرے دل و دماغ سے
اب بھی ہے لپٹا ہوا قیمتی شالوں کی طرح
(تحسین سبائے والوی، از مترجم)]

جی ہاں! متقدین مشائخِ عظام کی سنتِ قدیمہ ہے۔ جیسا کہ ایک صوفی نے

حالتِ وجد میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہ کے ہاتھ کو اپنے دانتوں سے کچھ اس طرح کاٹا کہ نشانِ زخم ظاہر ہو گیا تھا۔

مرغِ نیم بسمل

میاں محمد (بری رحمۃ اللہ علیہ) سے (یہ حکایت) منقول ہے کہ جب حضرت حافظ صاحب (رضی اللہ عنہ) حضرت مولانا شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف پانے کے بعد واپس تشریف لائے اور ہمارے قبلہ حضرت خواجہ نور محمد ثانی (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں نارووالہ میں علم ظاہری کے حصول کے لیے حاضر ہوئے۔ اکثر اوقات حضرت حافظ صاحب کی ذاتِ گرامی پر ذوقِ الٰہی کی ایسی حالت مست وارد ہوتی کہ مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپتے پھڑکتے رہتے۔

[تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ، سوزِ صدیق دے (علامہ اقبالؒ، از مترجم)]

عریضۂ نیاز

بلکہ بعض اوقات تو وجد و رقص کے غلبے میں نزدیک کے خشک اور ویران کنویں میں جا پڑتے تھے اور لوگ آپ کو وہاں سے باہر نکال لاتے۔

اس وقت ہمارے قبلہ رضی اللہ عنہ حضرت قبلۂ عالم و عالمیاں رضی اللہ عنہ کی بیعت سے مشرف نہ ہوئے تھے، مگر پھر بھی تقویٰ و طہارت کے پیکر اور شریعتِ مطہّرہ کی پابندی میں ثابت قدم تھے۔ جب آپ نے حضرت حافظ موصوف میں (نعمتِ دردِ دل، لذتِ سوزِ جگر، آہ، اشک، تڑپ اور دولتِ ذوق و شوق کی قابلِ رشک حالت بچشمِ سر مطالعہ و مشاہدہ فرمائی تو (اسیرانِ جمال دوست اور سفیرانِ عشق) حضراتِ اولیائے کاملین کے دستِ حق پرست پر بک جانے کا جذبۂ شوق دل میں موجزن ہوا۔

حضورِ اعلیٰ حضرت مولانا (شاہ فخر الدین دہلوی) قدس سرہ کی خدمتِ عالیہ میں ایک عریضۂ نیاز لکھ کر حضرت حافظ صاحب کے ہاتھ روانہ کیا۔ حضرت حافظ صاحب کا دہلی شریف کی جانب یہ دوسرا سفر تھا۔ جب وہ نیاز نامہ حضرت مولانا قدس سرہ کی نظرِ اشرف سے گزرا (تو از راہِ کرم) جواب یوں تحریر فرمایا: (مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی) مثنوی شریف کا مطالعہ کیا کریں پھر کچھ اوراد وظائف لکھ بھیجے کہ انھیں بھی پڑھ لیا کریں۔ اس گرامی نامے میں یہ ارشاد مبارک بھی مرقوم تھا کہ اگر حصولِ بیعت کا شرف پانا ہے تو پھر حضرت قبلۂ عالم کی بارگاہ میں مہار شریف چلے جاؤ اور بیعت کی نعمت سے سرفراز ہو جاؤ۔

کچھ سوجھتا ہی نہیں محبّت کے سامنے:

حضورِ والا، چند دن خط میں تحریر شدہ اوراد و وظائف اور مطالعۂ مثنوی میں مشغول رہے۔ آخر کار غلبۂ شوقِ دیدار (اور عشق) کی بے قراری کے باعث مہار شریف کی طرف چل دیے۔

[اندھا کیا ہے شوق نے دریا ہے یا کنواں

کچھ سوجھتا نہیں ہے محبّت کے سامنے (از مترجم)]

میں (میاں محمد بری) خدمتِ اقدس میں تھا، جب ہم خیر پور ٹامیوالی پہنچے۔ مہار شریف سے آنے والے کسی شخص نے یہ (روح فرسا) خبر سنائی کہ حضرت قبلۂ عالم کئی دنوں سے (اپنے پیر و مرشد) حضرت مولانا قدس سرہ کی بارگاہ میں دہلی شریف گئے ہوئے ہیں۔ قدرے خاموشی کے بعد یوں فرمانے لگے: ”ہمیں (بہر صورت) مہار شریف پہنچ کر حضور قبلۂ عالم (رضی اللہ عنہ) کے مبارک و متبرک مکان شریف اور خانقاہِ عالیہ کی آستان بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہیے، خواہ حضور موجود ہوں یا نہ ہوں۔ ہمیں اس سے کچھ بھی غرض نہیں۔“

الغرض جب ہم مہار شریف (مقدس نگری) پہنچے تو حضرت قبلۂ عالم (رضی اللہ عنہ) ہم سے ایک رات پہلے ہی اپنے دولت خانہ پر واپس تشریف لا چکے تھے۔ ہم دولتِ قدم بوسی سے محظوظ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ دور دراز سفر کی یہ تکلیف، بھاگ دوڑ اور کوششِ محمود بے کار نہ گئی۔ رات ہوئی تو حضور قبلۂ عالم (رضی اللہ عنہ) حقِ مہمان نوازی ادا کرتے ہوئے پر تکلّف کھانا لائے اور ساتھ گائے کا دودھ بھی۔ حضرت شاہ نارووالہ کریم کے تقویٰ و طہارت کے پیشِ نظر خود ہی فرما دیا: "میاں صاحب! یہ طعام اور دودھ رزقِ حلال سے ہے، اسے تناول فرمایئے اور دل میں کسی قسم کا شک وشبہ اور وہم و گمان نہ لایئے۔"

مزید یہ بھی فرمایا: "ہمارا معمولِ زندگی ہمیشہ یہی رہا ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہ کے حضور کم و بیش دو تین ماہ قیام کرتے تھے، مگر اس بار چند ایام گزرنے نہ پائے تھے کہ حضرت شیخ کریم مولانا صاحب قدس سرہ نے بذاتِ خود ارشاد فرما دیا: اس بار جلد ہی اپنے وطن لوٹ جایئے کہ ایک مرد (خود آگاہ) بہت دور سے سفر کی صعوبتیں اٹھائے مغرب کی جانب سے بیعت کے ارادے سے تمہارے پاس حاضر ہونے والا ہے، اسی لیے تو ہم صرف تمھارے لیے ہی بہت جلد واپس آ گئے۔

القصہ آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ دوسرے دن آپ (آفتابِ شریعت اور ماہتابِ طریقت) حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ کچھ مدت وہاں اقامت پذیر رہے، پھر نارووالہ میں واپس جلوہ آرا ہوئے۔

رانجھا ساڈے ویڑھے وڑیا:

چند ماہ بعد (پیکرِ حسن و جمال) حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ میرے قبلہ (حضرت خواجہ نور محمد ثانی) سے ملاقات (اور شرفِ دیدار بخشنے) کے لیے بنفسِ نفیس سر

زمینِ مہار شریف سے نارووالہ میں جلوہ گر ہوئے اور چند روز سکونت پذیر رہے۔

[تحسین ٹوٹ کر جسے میں چاہتا رہا
اس کے بھی پیار میں کبھی کوئی کمی نہ تھی (حادثہ وفا، تحسین سبائے والوی)

اج تاں روز مبارک چڑھیا
رانجھا ساڈے ویڑھے وڑیا

گھڑیالی دیہو نکال نی
ہن پی گھر آیا لال نی

مکھ ویکھن دا عجب نظارا
دکھ دل دا اٹھ گیا سارا (مترجم)

(حلوۂ پنجاب، یعنی قانونِ عشق، حضرت سیدنا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ: ص ۱۷۴)]

قدم کی کرشمہ سازیاں:

ایک دن قضائے حاجت کے لیے نکلنے کا اتفاق ہوا۔ حضور عالیشان کے مبارک پاؤں کے نشان خاکِ راہ پر صاف صاف نظر آرہے تھے۔ ایک ہندو عورت کا قدم حضور قبلۂ عالم کے نشانِ قدم پر پہنچا۔ قدم محض مس ہی ہوا کہ وہ ہندو عورت بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اس دن سے ہمارے قبلہ حضور (شاہ نارووالہ) نے حضور قبلۂ عالمیاں رضی اللہ عنہ کے لیے بیت الخلا کی جگہ حویلی شریف میں ہی تیار کر ڈالی۔ اس کے بعد آنحضور والا شان حاجتِ بشری کے لیے باہر نہیں جایا کرتے تھے۔

بخشیں واگ ولائی اُویار

انھیں دنوں میں حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی تشریف ارزانی اور کمالِ ولایت کی خبرِ پُر اثر لوگوں کے کانوں تک پہنچی۔ لوگ اطراف واکناف سے برائے زیارت

حاضر ہونے لگے۔ اس دوران میں (حضرت) قاضی میاں نور محمد کوریجہ حضورِ اعلیٰ میں زیارت سے شادکام ہوکر شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے اور حضور قبلۂ عالم کی خدمتِ اقدس میں یارے والی چلنے کی استدعا کی اور جلد ہی ایک قاصد کوٹ مٹھن کی طرف دوڑایا۔ (اس قرینے سے) اپنے برادرِ بزرگ حضرت قاضی محمد عاقل صاحب کو حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی جلوہ نمائی کا دل افروز پیام پہنچایا۔ حضرت قاضی صاحب پیغام سنتے ہی جلد از جلد حضور اعلیٰ میں آپہنچے اور شرفِ بیعت سے ممتاز ہوئے اور ملکِ وحدۃ الوجود کے شہسوار ہو گئے۔

خلاصۂ کلام: ہمارے اس ملک کے تمام باشندگان میں سے ہمارے قبلہ (شاہ نارو والہ) رضی اللہ عنہ (وہ خوش بخت شخصیت ہیں) جنھوں نے سب سے پہلے حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی بیعت کا شرف پایا اور اس ملک میں آپ کی تشریف آوری کا اصل مقصد ہمارے قبلہ سے ملاقات اور فیوض و برکات عطا فرمانا تھا۔ میاں محمد بری، جو کہ بچپن کے زمانہ سے ہمارے قبلہ رضی اللہ عنہ کے پرانے خدمت گزار ہو گزرے ہیں۔ یہ مکمل قصہ میں نے ان کی زبانی سنا ہے اور یہ (قصہ) اسی تفصیل کے مطابق ہے، جو کچھ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری حاضری سے پہلے حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کھچی شرقی [1] میں بے نظیر و بے مثال قطب (مدار) سمجھے جاتے تھے اور ایک پورا عالم آپ سے فیض پایا کرتا تھا۔

نظر سے نظر ملی ہوش کھو دیا:

اصل: (محترم عزت مآب) حضرت حافظ صاحب نے بذاتِ خود فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا (محب النبی فخر الدین دہلوی) صاحب قدس سرہ کی زیارت

---

[1] (قدیم زمانہ میں بہاول پور، چشتیاں اور مظفر گڑھ کا کچھ علاقہ "کھچی" کے نام سے موسوم رہا ہے۔ اسے طرفین کے اعتبار سے شرقی، غربی، شمالی اور جنوبی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ چشتیاں شریف کھچی شرقی کی حدود میں واقع ہے۔)
(حاشیہ خیر الاذکار فارسی از عبد العزیز ساحر: ص ۱۲۴، مترجم)

کے لیے دہلی شریف کی طرف راہی ہوا۔ کسی شہر میں حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کے مریدوں اور عقیدت مندوں میں سے کسی نے ایک ہلکا پھلکا، نفیس اور انتہائی خوبصورت کوزہ (مٹی کا برتن) میرے سپرد کیا کہ اسے میری طرف سے حضورِ اعلیٰ کی خدمت میں نذر گزارنا۔ پھر دوسرے شہر میں (یارِ دگر نے) حضورِ اعلیٰ کے لیے بطورِ نذرانہ مجھے ایک عمدہ لطیف اور خوب صورت عصا پیش کیا۔ یہ دونوں تحائف اور سوغاتیں اٹھائے، جب میں دہلی شریف پہنچا۔ مکانِ خاص بازار سے تھوڑے سے پتاشے خرید کر حضرت مولانا رضی اللہ عنہ کے حضور مدرسۂ معظمہ میں داخل ہوگیا۔

حضور اپنے حجرۂ مبارک میں جلوہ فرما تھے۔ میں اس حجرۂ مبارک کی جانب چلا۔ جونہی میری (پیاسی) نگاہیں اس آفتابِ حقیقت کے جمال پر پڑیں تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میری اس اضطرابی کیفیت کی وجہ سے ہر تینوں مذکورہ تحائف ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے۔ وجد و رقص کی حالت میں میرے پہلو، ہاتھ اور پاؤں کی ٹھوکر سے وہ کوزہ اور عصا ریزہ ریزہ ہوگئے اور وہ پتاشے بھی کپڑے کی گانٹھ کھلنے کی وجہ سے بکھر گئے۔ آنحضور والا شان اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے نزدیک ہوئے۔ پتاشے کے چھوٹے چھوٹے ذرے اپنے مبارک ہاتھوں سے چنے اور منہ مبارک میں ڈال لیے۔ تھوڑی سی مدہوشی کے بعد مجھے ہوش آیا۔ آنحضور قبلہ کی زبان (درفشان) سے میں نے سنا، فرما رہے تھے: ''حافظ صاحب یہ پتاشے میرے لیے ہی تو لائے ہیں، اسے کھانا چاہیے۔ (غنچہ دہن محبوب کے لبوں سے) یہ رحمت و محبت اور رس بھرا کلام سنتے ہی میں پھر مدہوش ہوگیا۔ (اب تو) میری مدہوشی کا وقت دراز ہوگیا۔ یہاں تک کہ آنحضور قبلہ والا شان اپنے دولتِ کدہ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب مجھے اچھی

طرح ہوش آگیا تو آپ بھی گھر سے واپس تشریف لے آئے۔ عنایت وعطا اور لطف وکرم فرمایا۔

[ساقی تیری نوازشیں ہیں مجھ پہ اس قدر
آیا تو بزم والوں کے چہرے اتر گئے
جونہی نظر، نظر سے ملی ہوش کھو دیا
دل دل سے مل گیا تو مقدر سنور گئے
(تحسین سبائیوالوی، مترجم)]

روح پرور اندازِ ملاقات

میں (گھلوی) کہتا ہوں۔ دوستوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ صاحب حالتِ وجد میں مکمل طور پر بے اختیار سے ہو جاتے تھے۔
اس (بندۂ احقر) نے حافظ موصوف کی ایسی صورتِ حال کو دوبار بذاتِ خود ملاحظہ کیا ہے کہ حضرت حافظ صاحب جب (ہمارے داد پیر) حضور قبلۂ عالم (خواجہ نور محمد قدس سرہ) کی خدمتِ عالیہ میں ایک مدتِ مدید کے بعد شرفِ ملاقات پاتے تو یوں بے اختیار بغل گیر ہوتے کہ حضرت حافظ صاحب کے دست و بازو حضور قبلۂ عالم (غریب نواز) قدس سرہ کی گردن مبارک سے زیورِ گلوبند (یعنی گلے کے ہار) کی طرح لپٹے ہوئے ہوتے اور حضرت حافظ صاحب کے دونوں پاؤں حضور قبلۂ عالم (غریب نواز) کی کمر مبارک پر کمر بند کی طرح حلقہ ڈالے ہوئے ہوتے۔ (وفورِ شوق اور فرطِ محبت میں) حضور قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو اپنی طرف یوں کھینچتے کہ حضور عالی جناب، نماز کے رکوع کی طرح جھکے جھکے نظر آتے۔ پھر

حاضرین اپنے ہاتھوں کی پوری قوت سے کلائیاں کھولتے تھے۔

بھولنا اک بھول سی ہوگی:

یہاں پر یہ بات بھی قابلِ تحریر ہے کہ حضرت حافظ صاحب ایک دن دہلی شریف میں حضرت مولانا صاحب (شاہ فخر جہاں دہلوی) کی خدمتِ اقدس میں تھے۔ حافظ صاحب پر اضطرابی کیفیت وارد ہوگئی۔ اس بے اختیاری اور بے تابی کی حالت میں حافظ صاحب موصوف کا پاؤں حضرت مولانا قدس سرہ کی ران مبارک کی جڑ میں جا لگا جس سے حضرت مولانا کو سخت چوٹ پہنچی۔ عمر بھر اس ضربِ پا کا درد، ران مبارک میں باقی رہا۔ حضورِ عالی ازراہِ کرم (یوں) فرمایا کرتے: ''حافظ محمد پنجابی ہمیں بھولے سے بھی نہیں بھولے گا، بلکہ ہمیشہ یاد رہے گا۔''

دیوانہ وار چکر

حافظ صاحب سے منقول ہے۔ خود ہی فرمایا کرتے: (کہ بیعت کے بعد) اوائلِ اوقات میں حضرت مولانا صاحب قدس سرہ کی زیارت اور شوقِ دیدار کی غرض سے دہلی شریف میں جانا ہوتا۔ مگر میں آپ کے معمولات اور طرزِ زندگی سے واقف نہ تھا۔ ایک دن آپ اندرونِ حویلی اپنے قائم کردہ مدرسہ میں جلوہ آرا تھے اور عقیدت مند اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اس محبوب ربِ العالمین کے جمالِ باکمال کے نظارے میں گم تھے کہ یکا یک چہرہ (رشکِ بتانِ آزری) پر اثرات ظاہر ہونے لگے۔ جسے سارے احباب بخوبی سمجھ گئے، مگر میں اس حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔ سبھی دوست واحباب وہاں سے جلد ہی بے اختیار نکل کھڑے ہوئے۔ میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

حویلی کا دروازہ بند کیے اکثر احباب جوتے وہاں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ میں چونکہ اس پُراسرار حالت سے قطعاً واقف نہ تھا، اس لیے وہاں اکیلا رہ گیا۔ حضور عالی جناب جلد ہی اندرونِ حویلی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیواروں کے نزدیک چکر لگانا شروع کیے اور میں وہاں مرکزی دائرے کی طرح (گم صم) کھڑا رہا۔ حضور والا مجھ سے دور ہوکر اندرونِ حویلی آس پاس، چاروں اطراف گھوم رہے تھے اور اس رقص کی حالت میں دو تین کلمات زبانِ مبارک سے ادا ہو رہے تھے، جو میری سمجھ سے بالاتر تھے، مگر میں نے ان کلمات کو یاد کرلیا۔

جب حضور والا نے اس وجد و رقص کی کیفیت سے آرام پایا اور اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ مجھے کھڑا دیکھا تو فرمایا: ''حافظ! میں تو بہت بڑا شیطان ہوں، مجھے کامل توجہ سے دیکھ لیجیے۔''

تب یہ راز مجھ پر آشکار ہوا کہ حضورِ اعلیٰ کی خدمت سے دوستوں اور عقیدت مندوں کا بھاگ نکلنا آپ کے ہاتھوں سنگ زنی کے خوف کی بنا پر تھا۔ آپ وارفتگی کی ایسی حالت میں بے قابو اور بے بس سے ہو جاتے تھے۔ اس حقیقت سے آگاہی کے بعد میں بھی اس قسم کی حالت وارد ہونے کے وقت دوسرے لوگوں کی طرح بھاگ نکلتا تھا۔ حضرت حافظ صاحب کو وہ کلمات یاد تھے۔ انھوں نے دو تین بار میرے سامنے پڑھے بھی تھے مگر (افسردگی بخت کہ) وہ کلمات اس وقت میرے لوحِ دماغ سے محو ہو چکے ہیں۔

حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ان کلمات کے معانی دریافت کرنے کے لیے میں نے مختلف اہلِ زباں سے رابطہ کیا، مگر کسی نے کچھ بھی رہنمائی نہ فرمائی۔ ہر اہلِ لغت یہی کہتا کہ یہ کلمات لغاتِ غریبہ سے ہیں، شاید کہ اس میں کوئی راز کی بات

ہے۔والحمدللہ علی ذالک۔ ''اس پر اللہ کی حمد وثنا کرنی چاہیے۔''

اصل: یہ بندہ جب پہلی مرتبہ اپنے کعبہ وقبلۂ ایمانی حضرت خواجہ نور محمد ثانی کی پاکیزہ معیت میں مہار شریف گیا تھا، حضرت حافظ صاحب بھی ہمراہ تھے۔کوڑے خان ہکڑا (زہے نصیب کہ جنھیں) ہمارے حضرت حضور کی غلامی کا شرف حاصل تھا اور آنحضرت قبلہ سے (ہمیشہ مکمّل خلوص اور) سچی و پکی عقیدت ومحبّت کا دم بھرتا رہا۔ ہم ان کی بستی میں شب باش ہوئے۔لوگ نمازِ عشاء کی تیاری کر رہے تھے۔ بندہ (محمد گھلوی) وضو کر کے حضور قبلہ کے ساتھ مردوں کی صف میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک دوستوں میں سے کسی نے (کعبۂ سخن) حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کے اشعار پڑھنے شروع کیے اور بندے کو درج ذیل مصرع پر وجدانی کیفیت پیدا ہوئی۔

راست گو کہ ایں زماں تا تو ازانِ کیستی

''یعنی، سچ سچ بتا! اس وقت تیرا شمار کن لوگوں میں ہے۔'' میں (کیف وسرور کی مستی میں) اپنی جگہ سے اچھل کر صف سے باہر جا پڑا اور پھر اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور لوگوں کے ساتھ نمازِ باجماعت ادا کی۔

اس رات کے دوسرے دن جبکہ ہم سفر میں تھے، حضرت حافظ صاحب اور یہ بندہ حضور (مرشد کریم) کی سواری کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔میاں محمد فاضل بھٹہ جو کہ ''خدائی'' کے لقب سے مشہور تھا، مجھ سے پوچھنے لگا: او مولوی [صاحب] (گزشتہ رات) تجھ پہ کیفیت وارد ہوئی اور تو بے ہوش ہو گیا تھا، تو پھر نمازِ عشاء اسی حالت میں کس طرح ادا کی؟ (حالانکہ) چاہیے تو یہ تھا کہ تو تازہ وضو کے ساتھ نماز ادا کرتا۔بندہ اسے جواب دینے میں بالکل خاموش رہا اور حافظ صاحب بھی چپ رہے۔جواباً کچھ

بھی نہ فرمایا۔ پھر آنحضور (قبلہ) قدس سرہ حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں گویا ہوئے:

''یہ مسئلہ 'رشحات' میں پوری شرح بسط کے ساتھ موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ وجد وکیف کے (قابلِ دید اور تشکر آمیز) اوقات میں ایک صوفیِ باصفا کا نفسِ کلی ، جزوی پر غالب ہوتا ہے اور خواصِ بشریت (بشری عادات واثرات) چونکہ سارے کے سارے اٹھالیے جاتے ہیں، اس لیے نیا وضو بنانا ضروری نہیں۔''

اس کے بعد فرمانے لگے: اگرچہ (حقیقت) مسئلہ ایسے ہی ہے، مگر ہمارے بزرگانِ چشت رضی اللہ عنہم اجمعین کا معمول یہ ہے کہ اگر صوفی کو ایسی حالت میں اپنے احوال وافعال اور حرکات وسکنات کا شعور بھی ہو اور وہ اچھی طرح یہ جانتا ہو کہ اس وقت میرا یہ حال ہے اور اس سے پہلے یہ تھا تو پھر اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر غلبۂ مستی میں اپنے احوال سے بے سدھ ہو جائے تو پھر وہ نیا وضو کرے۔ جس طرح کہ جنون و بے ہوشی کی حالت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔''

پھر میں نے اپنی حالت کے متعلق غور وخوض کیا (تو اس نتیجے پر پہنچا) کہ میں تو اپنی حالت سے بے خبر نہ تھا، بلکہ صرف اضطراب ہی تھا۔ یہ فائدہ بھی حضرت حافظ صاحب کے وسیلۂ جلیلہ سے حضور مرشد کریم کی جناب سے حاصل ہوا۔

''والحمد للہ علی ذالک'' میں اس نعمت پر حق تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حضرت سیرانی کے مزار پر فاتحہ خوانی

منقول ہے کہ جب حضرت قبلہ (شاہ ناروو الہ جناب خلیفہ صاحب) بخشہ قسمانی

(بہاول پور کے قریب ایک بستی) پہنچے، ان دنوں میں صاحبِ مناقب (یعنی کئی خوبیوں کے مالک) میدانِ تجرید (وتفرید) کے شہسوار اور بحرِ توحید کے آشنا حضرت میاں محکم الدین سیرانی رضی اللہ عنہ نے جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے شربتِ وصال نوش فرمایا اور آپ کے جنازے کو قصبہ بخشہ قسمانی میں بطور امانت رکھا تھا[1]۔ حضور (قبلہ مرشد) کریم دو تین دوستوں اور مریدوں کے ہمراہ بہاول پور کے راستے سے حضرت میاں صاحب (خواجہ محکم الدین سیرانی) کے مزار کی طرف متوجہ ہوئے۔ حافظ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ بندہ حضور عالی کے ہمرکاب تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت میاں صاحب کے مزار شریف کے سرہانے کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھی۔ تھوڑی سی دیر وہاں کھڑے رہے، پھر چل پڑے۔ ارادہ مبارک یوں تھا کہ دوپہر کا کھانا اور قیلولہ مولوی محمد حسین چنڑ کے پاس ہونا چاہیے۔

اس بستی کے درخت وہاں سے نظر آرہے تھے۔ بندے کے دل میں خیال گزرا کہ قضائے حاجت کرلوں، پھر تنہا اس بستی میں پہنچ جاؤں گا۔ جب حاجتِ بشری سے فراغت پائی۔

[1] شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ فقہائے اسلام نے دفن کے بعد عذرِ شرعی کے بغیر میت کو قبر سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ قاضی خان لکھتے ہیں کہ کسی عورت کا بیٹا کسی دوسرے شہر میں موت کے بعد دفن کردیا گیا اور وہ عورت اُس کے لئے بے قرار ہو اور اُسے قبر سے منتقل کرنا چاہتی ہو تو اُس کے لئے بھی میت کو قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ملا علی قاری، قاضی صاحب کے بیان کردہ مسئلہ کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ اس پر ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے نیز لکھتے ہیں کہ مشائخ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو غسل دیئے بغیر دفن کردا گیا ہو تو اُس کے تدارک کے لئے اُس کی قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد ۲ صفحہ ۸۱۰۔)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے امانت کے طور پر میت کو قبر سے منتقل کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

حوالہ مذکور۔......(مترجم)

واپس آیا تو دیکھتا ہوں، سبھی احباب چلے گئے اور نظروں سے بھی اوجھل ہو گئے۔ (مگر) حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ برسرِ راہ بندے کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ حضرت حافظ صاحب کی اس قدر (کمالِ مروت و اخلاق کی بدولت) مجھے بہت سی گھٹن ہوئی اور شرمسار ہو کر عرض پرداز ہوا کہ آپ میرے لیے اتنا وقت ٹھہرے رہے، اس قدر تکلیف و تکلّف کیوں فرمایا۔ آپ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ چلے جاتے۔ بندہ خود بخود وہاں پہنچ جاتا، کیونکہ بستی کے درخت تو صاف صاف نظر آ رہے ہیں۔ فرمانے لگے: میرے خیر اندیش دل نے چاہا کہ دورانِ سفر ایک دوسرے کی پر مغز (اور پر سرور) باتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

حضرت خضر علیہ السّلام سے ملاقات

اس سفر کے دوران جو ہم اکٹھے طے کر رہے تھے، حافظ صاحب میرے (قائد) رہبر و رہنما تھے۔ یوں فرمانے لگے: ایک مرتبہ میں دہلی شریف سے اپنے گھر کی طرف واپس آ رہا تھا کہ اسی جگہ پر ایک بزرگ شخصیت جس کی داڑھی میں سفید و سیاہ بال تھے، از راہِ کرم بندے کو نظر آئے۔ وہاں پر دو راستے تھے، جو ایک دوسرے کے قریب تھے۔ چونکہ میں بھی اسی راستے سے آ رہا تھا اور وہ بھی، اس لیے اسی راہ پر ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ جب میرے بالکل نزدیک ہوئے، مجھے السّلام علیکم کہا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حافظ صاحب اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔

مجھے خیال آیا کہ اس قسم کی ملاقات آنے جانے والے مسافروں کے درمیان تو ہو ہی جایا کرتی ہے۔ حافظ صاحب کے بیان کا کیا معنی ہو سکتا ہے۔ میں نے پھر آپ

سے سوال کیا: ''وہ سلام کرنے والا شخص کون تھا؟'' فرمایا: وہ کوئی رجلِ غیبی تھا۔ بندہ پھر بھی بات نہ سمجھ سکا اور دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ عوام چونکہ ''حرام زادے'' کو 'غیبی' کہتے ہیں، اس لیے پھر عرض گزار ہوا کہ بندہ آپ کی بات کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ پا رہا۔ میری طرف رخ مبارک موڑ کر (جذبۂ کامل سے) فرمانے لگے: یہ وہی تو تھا، جسے خضر (علیہ السّلام) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی میں دہشت زدہ ہوا اور چپ ہو گیا۔ بہر حال آپ نے ازراہِ کرم عجیب وغریب مسائل وفوائد (اور دلچسپ) باتوں سے تمام راہ بندے کو خوش وخرم اور تروتازہ رکھا۔ اس کے بعد ہم بہاول پور پہنچے۔

تبرکِ شیخ

آنحضور والا شان قبلہ رضی اللہ عنہ بندے کی اس اضطرابی کیفیت کو اس سے پہلے معائنہ فرما چکے تھے۔ اپنی چادر مبارک بندے کو ارزانی فرمائی، تاکہ برہنہ حالت میں نہ رہ جاؤں۔ میرے پاس چونکہ بذاتِ خود چادر موجود تھی، اس لیے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے یوں عرض پرداز ہوا: (قبلہ حضور) ''چادر تو میرے پاس موجود ہے۔ اس لیے میں نے واپس لوٹا دی، مگر ہائے افسوس کہ وہ چادر مبارک تو (بہر صورت) لے ہی لیتا اور اسے سر پہ باندھ لیتا۔ (وائے ناکامی) میں اس قدر کیوں بے خبر رہا کہ اسے تبرک کے طور پر نہ لے سکا۔ جیسا کہ (میرے پیارے دوست) میاں محمد بری مرحوم حضور قبلہ والا شان کی اس جود وسخا اور عطا کو جب بھی یاد فرماتے تو بندے کو سرزنش کرتے کہ تو نے اس چادر مبارک کو کیوں نہ لے لیا تھا، تاکہ وہ تیرے پاس تبرک کے طور پر باقی رہ جاتی۔ للہ تعالی آپ کے بے پایاں فیض کو بند نہ فرمائے کیونکہ حضور قدس سرہ کا فیض

ہمیں اب بھی درکار ہے۔"

القصہ جب ہم مہار شریف کے نزدیک پہنچے، بندے کو پھر بیت الخلا جانے کی حاجت ہوئی۔ میں نے حافظ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دوستوں کے ہمراہ چلیے، میں پیچھے آیا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمھارے شیخ (کریم) سب سے جلد اور پہلے حضورِ اعلیٰ میں پہنچ چکے ہیں۔ اگر ان کی رفاقت میں جانے کا شرف ہی ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا اور ہم پیچھے رہ گئے تو پھر ہم کیوں جلد بازی سے کام لیں۔ پھر یہ فوائد بھی بیان فرمائے۔

سوچتے ہیں تجھے وضو کر کے:

جب (اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے گھر سے مسافرت اختیار فرماتے اور بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت کا شرف حاصل کرتے۔ جو بھی خوش بخت آنحضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وجوار میں آتا، نیا وضو کرتا اور نمازِ نفل بطور شکرانہ ادا کرتا۔ پھر حضور عالی میں حاضر ہو کر زیارت سے شرف یاب ہوتا۔ (اس خوش اقبال اور فیروز بخت سے) آپ بہت راضی ہوتے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید، جنید و بایزید ایں جا (عزت بخاری

اے پائے نظر ہوش میں آئے کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے (مولانا آسی مرحوم)

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے
خطرہ ہے بہت سخت یاں بے ادبی کا (کوثر نیازی)

ساہ جھنو کے جھات پاواں، ہو لے و دی الانواں

ڈیکھاں تاں چوری چوری، جنڈڑی بچانوڑی تھئی (یتیم جتوئی)

سوچتے ہیں تجھے وضو کر کے

یوں تیرا احترام کرتے ہیں (وصی شاہ)

بے وضو ذکر آپ کا تحسینؔ

توبہ توبہ جناب توبہ ہے (تحسین سبائے والوی)]

اور جو شخص نوافلِ شکر ادا کیے بغیر ایسے ہی جلد حاضرِ حضور ہو جایا کرتا، اس کی طرف کامل توجہ نہ فرماتے۔

قبلۂ عالم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف

بالآخر (قبلہ) حافظ صاحب اور اس بندہ ناچیز نے حاجتِ بشری (پیشاب و پاخانہ) سے فراغت کے بعد نیا وضو کیا اور حضور قبلۂ عالم قدس سرہ کی زیارت سے شادکام ہوئے۔ حافظ صاحب حضور قبلۂ عالم کے چہرۂ انور کو محض دیکھتے ہی وارفتہ ہو گئے، جس طرح کہ میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ آپ (حضور غریب نواز) کے دیدار فرحت آثار کے وقت بے اختیار سے ہو جاتے۔

جونہی وہ کیفیت ذرا سرد پڑی، حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ نے حافظ صاحب کو لطف و کرم سے نوازا اور یوں فرمانے لگے: ''اس سفر میں دوستوں کے ساتھ آپ بھی رفیقِ سفر تھے، یہ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کسی نے بھی سفر کی تفصیل ذکر نہ کی۔ تمھارا آنا مبارک۔ خوش ہو کر آئے ہو اور خوش ہی رہو۔

آنکھوں کو شغلِ گریاں رہا

منقول ہے ایک دن حافظ صاحب فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں (مدینۂ صغیر) دہلی شریف گیا ہوا تھا۔ (شیخِ مکرم) حضرت مولانا صاحب کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف میں مشغول تھا۔ خیال آیا کہ دولتِ مشاہدۂ دیدار (دوست) اور وحدتِ حقیقی کی (دلربا) صورت (کا جلوہ) اور نعمتِ معرفت حق تعالیٰ اور کثرتِ موہوم (یعنی اس دارِ ناپائدار میں) کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اس وقت میں تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا کہ دیوار سے ہاتف غیبی نے پکار کر کہا:

"سالہا خونِ جگر باید خورد" "کئی سال تک خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔

(اور مشکلات کی بھٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے)"

[بقولِ کسے :

آنکھوں کو شغلِ گریاں رہا عمر بھر عزیز

دریا کی ساری عمر روانی میں کٹ گئی (مترجم)]

حق تعالیٰ کی حقیقت مخلوق کی سمجھ سے ماورا ہے۔ اس قدر سنتے ہی مجھے ایک گونہ راحت و تسکین حاصل ہوئی کہ اس راہ میں کامل مجاہدے کی ضرورت ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی کما حقہ معرفت اور پہچان اس کے بندگان کی فہم و رسائی سے یقیناً بالاتر ہے۔

جلوۂ معشوق کی کرشمہ سازیاں

نیز ایک اور دن یوں لب کشا ہوئے: میں دہلی میں تھا کہ میرے دل میں خیال گزرا مشاہدۂ حق (نور الٰہی کا نظارہ، دیدارِ خداوندی) جیسی عظیم نعمت و دولت کے حصول کے بعد عین مشاہدے کی حالت میں عاشق کس ولولے اور جذبے میں ہوتا ہوگا

۔اس لیے کہ فراق کی (قیامت خیز) گھڑیوں میں ایک دل جلے عاشق کو بے آرامی اور بے سکونی ہوتی ہے، جبکہ دولتِ وصل او رمشاہدے کی سہانی گھڑیاں ایک عاشقِ صادق کے لیے آرام وسکون اور تسکینِ قلب کا سامان فراہم کرتی ہیں۔اس خیال نے میرے دل میں جڑ پکڑ لی۔ (مرشد کریم اپنے نورِ فراست سے میری قلبی کیفیت پہچان گئے،اور) حضرت مولانا قبلہ صاحب قدس سرہ حافظ شیرازی کا دیوان ہاتھ میں اٹھائے میرے پاس تشریف لائے اور یہ دو شعر نکال کر عنایت فرمائے:

بلبلے برگِ گل خوش رنگ در منقار داشت
واندراں برگ ونوا خوش، نالہ ہائے زار داشت
گفتمش: در عینِ وصل این نالہ وفریاد چیست؟
گفت: مارا جلوۂ معشوق در این کار داشت

"(پھولوں کی دیوانی) بلبل نے خوبصورت پھول کی پنکھڑی کو چونچ میں اٹھا رکھا تھا۔اس قدر قرب ومعیت اور پر مسرت موقع کے باوجود زار وقطار رونا بھی شروع کر رکھا تھا۔میں نے اسے کہا کہ وصلِ وصال کی عین پر سرور گھڑیوں میں یہ نالہ وفریاد اور رونا دھونا کیسا؟ بولی: رونا پیٹنا یہ سب جلوۂ معشوق کی کرشمہ سازیاں ہیں۔"

اس دن سے مجھے یقینِ کامل ہو گیا کہ جلوۂ یار اور مشاہدۂ انوار بھی عاشقانِ پاک طینت کی بے قراری کا سبب ہوا کرتا ہے۔جیسے ہجر وفراق، سوز وگداز کا موجب ہوتا ہے۔

[جلوۂ یار ادھر بھی کوئی پھیرا تیرا
حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رستہ تیرا (مولانا حسن رضا خان)]

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عشاقِ ہجر وفراق اور وصلِ وصال دونوں کیفیتوں میں بے قرار سے رہتے ہیں، مگر پھر بھی ولولۂ عشق سے بے کار نہیں بیٹھتے۔

تصورِ شیخ اصلِ مراد

نیز (بیعت کے بعد) اوائل ایام کی بات ہے، جب بندہ خدمتِ عالی میں حاضر تھا۔ پیرومرید کا ذکر چل پڑا۔ حضرت حافظ صاحب بذاتِ خود یہ بیت پڑھنے لگے:

گر بمنی در یمنی پیشِ منی
ور بے منی پیشِ منی در یمنی

اور بیان فرمایا کہ یہ شعر ایک عارف (خود آگاہ) کا ہے، جس نے اپنے ایک مرید کو شیخ کی جانب توجہ دوام کے متعلق ہدایت تلقین فرمائی ہے۔

''اگر تُو دل کی کامل توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ میری طرف متوجہ ہے تو گویا زانو بزانو میرے سامنے ہے۔ اگرچہ بظاہر مجھ سے دور ہو کر ملکِ یمن میں رہائش پذیر کیوں نہ ہو اور اگر تو دل سے ہماری طرف متوجہ نہیں، بلکہ تیرے کعبۂ دل میں کوئی اور بس رہا ہے تو اگرچہ یمن میں مجھے سامنے بٹھائے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہو اس کے باوجود مجھ سے اس قدر دور ہو، جیسے مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔''

[دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی (مترجم)]

خلاصۂ کلام یہ کہ مرید کو چاہیے کہ تصورِ شیخ کو اصلِ مراد جانے۔ قرب و بُعد کو یکساں طور پر مانے، دل کے آئینہ میں جھانکے اور خدمتِ شیخ میں حاضر باش رہے۔ اگرچہ شیخِ مکرم اس جہانِ رنگ و بو سے گزر کر عالمِ برزخ میں جا پہنچے ہوں۔ پھر بھی طالب کو مطلوب (قربِ رسول اور قربِ خدا) تک پہنچا سکتے ہیں اور تصورِ شیخ کے بغیر جملہ ظاہری و باطنی اوراد و وظائف چنداں مفید نہیں ہو سکتے۔

یہ طور طریقہ جملہ کاموں میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کمالِ کرم اور خصوصی

احسان ومنت سے بندے کو بھی (اس) روزی (سے وافر حصہ) عطا فرمائے۔ آمین۔

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے:

ایک دن اسی شعر کی مناسبت سے یوں فرمانے لگے:

بہاول پور کے گرد ونواح میں میرے دوستوں میں سے ایک شخص حضرت قبلۂ عالم (خواجہ نور محمد) قدس سرہ سے شرفِ بیعت رکھتا تھا۔ وہ تصورِ شیخ میں گم رہتا تھا ایک مرتبہ اپنی حقیقتِ حال مجھے یوں بیان فرمائی: ''میں صورتِ شیخ کو برملا اور ظاہر بظاہر دیکھتا رہتا ہوں وہ ہر وقت مجھے نظر آتی ہے۔ اگر میں بیٹھتا ہوں تو صورتِ شیخ بھی مجھے بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر چلنا شروع کر دوں تو وہ (من موہنی صورت) بھی میرے ساتھ چلتی پھرتی نظر آتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ صورت دن بدن میرے نزدیک تر ہوتی جارہی ہے۔ کچھ مدت بعد یوں ظاہر ہوا کہ اب وہ (دلربا) صورت آگے آگے ہو کر میری ہستی میں گم ہوتی جارہی ہے۔ میں نے اسے مبارک باد پیش کی کہ اس رابطہ و تعلق کو مضبوطی سے قائم رکھنا اور اپنے ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دینا۔

ٹوٹ کر میں جسے چاہتا رہا:

اصل: یہ ان دنوں کی بات ہے جب بندہ سلطان پور کے قریب بستی یارے والی میں زندگی کی (انمول) گھڑیاں گزار رہا تھا۔ میں اکثر و بیشتر حافظ صاحب کی خدمتِ عالیہ میں چلا جاتا اور ان سے (علمی و عملی اور روحانی) فوائد حاصل کرتا اور آپ بھی از راہِ کرم و بندہ نوازی، فقیر کے ہاں تشریف لایا کرتے اور کبھی کبھار ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ بندہ حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑتا اور وہ مجھے ملنے کے لیے اپنے گھر سے نکل پڑتے۔ (یعنی ہم ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکلتے، مگر ایک دوسرے کو نہ پاسکتے) حضرت حافظ صاحب

کو آنے میں جو حرج واقع ہوتا، مجھے اس سے گھٹن سی محسوس ہوتی۔ اس لیے ان کے حضور عرض گزار ہوتا: ”بندہ حصولِ سعادت کے لیے آپ کی زیارت کے لیے حاضر تو ہو ہی جاتا ہے، پھر آپ یہ تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟“

(حضرت حافظ صاحب) کبھی تو جواب نہ دیتے، بلکہ خاموشی اختیار فرماتے اور کبھی یوں جواب عطا فرماتے: ”میرا دل بھی چاہتا ہے کہ تجھے دیکھ لیا کروں۔“

[تحسین ٹوٹ کر میں جسے چاہتا رہا
اس کے بھی پیار میں کبھی کوئی کمی نہ تھی (مترجم)]

تین سال تک ایک دوسرے کی طرف آمد و رفت کا یہ (پرخلوص) سلسلہ متواتر جاری و ساری رہا۔ یہاں تک کہ (میں) تقدیر الٰہی سے وہاں سے کوچ کر کے گھلواں (علی پور گھلواں) واپس مقیم ہو گیا اور پھر زیارت کی سعادت اور دولتِ قدم بوسی کا شرف گاہے گاہے میسر ہوتا رہتا۔ بالآخر اللہ تعالی کی تقدیر کا فیصلہ یوں ہوا کہ حضرت حافظ صاحب کے وصال (پرملال) کا سانحہ پیش آیا اور یہ بندہ آپ کے مزارِ فیض آثار کی زیارت سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔

اولیاء اللہ مرتے نہیں

(سرزمین) سلطان پور کے رہائشی (حضرت) حافظ یوسف صاحب جنھوں نے آپ کو غسل دینے کا شرف پایا تھا، انھوں نے (بذات خود) مجھے آپ کی یہ کرامت بتائی: ”جب میں نے غسل دینے کے بعد کفن پہنانا چاہا اور تختۂ غسل سے اٹھا کر چار پائی پر لے آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ آپ تو دنیوی حیات میں بوقتِ ملاقات خود اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے تھے۔ اب اس وقت اپنی بزرگی کے باوجود اپنا دستِ مبارک (سابقہ روش کے مطابق) ملا دیں تو میں یقیناً جان لوں گا کہ واقعی بزرگ ہستی

تھے۔ میرے دل کے اس خطرے کے پیش نظر اپنے دست مبارک دراز کرتے ہوئے میرے ہاتھوں میں دیئے۔ اس ہاتھ کے زور اور سہارے میں نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ تختے سے اٹھ بیٹھے۔ میں آپ کے دونوں ہاتھوں کو چارپائی پر لے آیا۔ اس خرقِ عادت مضمون کو سنتے ہی، ''ان اولیاء اللہ لا یموتون'' یقیناً اولیائے کاملین مرتے نہیں'' پر از سرنو یقین پختہ ہو گیا کہ اہل اللہ حیات ابدی کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے لیے موت وصالِ محبوب کا نام ہے کہ ''الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب'' یعنی موت ایک پل ہے۔ جس کے ذریعے دوست، دوست سے نزدیک تر ہو جاتا ہے اور یہ (محبوبانِ خدا) زندہ ہی ہوتے ہیں۔ [1]

مرا زندہ پندار چوں خویشتن:

جیسا کہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ اپنی محفل فیضِ بار میں

[1] ''حضرت ابوسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ایک مرید کو غسل دیا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا اس وقت وہ غسل کے تختہ پر تھا۔ میں نے کہا اے بیٹے! میرا ہاتھ چھوڑ دے مجھے معلوم ہے تو مردہ نہیں یہ تو ایک گھر (دنیا) سے دوسرے گھر (آخرت) کی طرف منتقل ہونا ہے پس اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔''

''حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک اچھے ارادے والے نوجوان نے میری صحبت اختیار کی پھر وہ مر گیا تو میرے دل میں اس کا بہت زیادہ غم ہوا چنانچہ میں نے خود اسے غسل دیا۔ جب میں نے اس کے ہاتھوں کو دھونے کا ارادہ کیا تو خوف کی وجہ سے میں نے بائیں ہاتھ سے آغاز کیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنا دایاں ہاتھ تھما دیا۔ میں نے کہا اے بیٹے! تم سچے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی۔''

(رسالہ قشیریہ ص ۶۳۴، علامہ صدیق ہزاروی)

''شیخ ابوسعید حزار کہتے ہیں: کہ میں حرم کعبہ میں تھا۔ باب بنی شیبہ پر ایک جوان کو مرا ہوا پایا۔ جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو مسکرا دیا اور کہا: کہ ابوسعید تو نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ کے دوست مرنے کے باوجود بھی زندہ ہوتے ہیں وہ تو صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے ہیں۔''

(شرح الصدور حال الموتی والقبور عربی ص ۸۶۔ مترجم)

مخاطبین کی تنبیہ اور حاضرینِ محفل کو سنوارنے کی غرض سے اپنی حیاتِ جاودانی کی خبر
دیتے اور (حضرت مولانا نظام الدین گنجوی کی مشہور زمانہ کتاب "سکندر نامہ" سے)
یہ دل پذیر اور قابل شرف شعر پڑھا کرتے:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن [1]

اے جان پاک! میری روح و جان تجھ سے شرفِ ملاقات رکھتی ہے۔ اگر چہ تو
اس سے آگاہ نہیں۔ ملاقاتِ جسمانی بھی (کچھ مشکل نہیں بلکہ) عین ممکن ہے لیکن
بظاہر شریعتِ رسولِ عربی ﷺ کا ادب ولحاظ کرتے ہوئے ہم ایسا نہیں کرتے۔

صاحبِ نسبت اہل اللہ

جی ہاں! صاحبانِ نسبت اہل اللہ ملاقاتِ ظاہری بھی کرتے ہیں۔ جیسے نواب
غازی الدین ہندوستانی نقل کرتے ہیں۔ جب حضرت شاہ کلیم اللہ فنا فی اللہ جہان
آبادی، حضرت سیدنا خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے
تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ نصیر الدین کا مزار مبارک باہر سے دو حصوں میں بٹ
گیا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ اندر چلے گئے۔ زمانۂ دراز تک حضرت خواجہ نصیر الدین
کی مجلس میں رہے۔ جب آپ مزار شریف سے باہر تشریف لائے تو پھر قبر کا شق شدہ
حصہ آپس میں مل گیا۔ البتہ (قبر پھٹنے کی جگہ پر) تھوڑا سا نشانِ لکیر (آج تک)
نمایاں ہے۔

---

[1] "مجھے اپنی طرح زندہ جان اگر تو جسم و جان کے ساتھ آسکتا ہے تو (میرے لیے بھی کچھ مشکل نہیں کہ) میں بھی
اپنی جان و روح کے ساتھ (بجسم مثالی) حاضر ہوسکتا ہوں۔" (اضافہ از مترجم)

جو شخص اس راز سے واقف ہے، اگر وہ گہری نظر سے ملاحظہ کرے تو وہ اس لکیر کو جان لیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اور ہم غریبوں اور محتاجوں کے قبلہ حضرت قبلہ نور محمد ثانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ آپ کی محفل شریف میں (حقیقت) موت کا تذکرہ چلا۔ آنحضرت قبلہ نے فرمایا: ''جینے اور مرنے میں صرف اتنا فرق ہے کہ بندہ موت کے بعد دو گز زمین میں جا بیٹھتا ہے اور اپنی حرکات سے آرام پکڑتا ہے۔ پس یہ منقول شدہ بات بھی اولیائے کاملین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حیاتِ ابدی پر دلالت کرتی ہے۔''

روٹھ گئے دن بہار کے

اصل: جن دنوں یہ بندہ یارے والی میں مقیم تھا، حضرت محب النبی محبوب رب العالمین حضرت فخر الاسلام والمسلمین حضرت مولانا صاحب (خواجہ فخر الدین محمد) قدس سرہ کے وصال کی خبر (لوگوں کے کانوں تک) پہنچی اور بندہ بھی اس روح فرسا سانحے سے بہت زیادہ غمگین ہوا۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ میرے شیخ (حضرت خواجہ نور محمد ثانی) اس جہانِ فانی سے جہانِ جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے ہیں اور محبوبِ حقیقی کے وصل سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ بیدار ہوا تو پورا جسم کانپ اٹھا۔ ندی کے کنارے پر جہاں سے میں وضو کرتا تھا، جسمانی کپکپاہٹ اور تھرتھراہٹ کی وجہ سے قریب تھا کہ میں ندی میں جا گرتا۔ نمازِ فجر ادا کرنے کے فوراً بعد حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں جا پہنچا اور رات کے خواب کی صورتِ حال پیش کی۔ فرمانے لگے: (تو ہرگز نہ گھبرا) تیرے شیخ

کریم بالکل خیریت سے (زندہ) ہیں۔ یہ حضرت مولانا صاحب (شاہ فخر الدین
دہلوی رضی اللہ عنہ) کے سانحۂ وصال کی صورت تھی، جو کہ تجھے تیرے شیخ کریم کی
صورت میں دکھائی گئی۔ اس بارگاہ تک پہنچنے کے لیے تیرا واسطہ وسیلہ اور رابطہ تیرے
اپنے شیخِ کریم ہی ہیں۔

یہ سنتے ہی میرے (بے قرار) دل کو آرام وسکون پہنچا۔ جی ہاں! حضرت حافظ
صاحب نے بالکل حق، سچ اور بجا فرمایا۔ وہ یوں کہ جب میرے حضرت قبلہ رضی اللہ
عنہ نے شربتِ وصالِ حق نوش فرمایا تھا، اگرچہ میں اس وقت آپ کی خدمت میں
حاضر نہ تھا۔ مگر آپ کے وصال کے دن بالکل اسی طرح میرے جسم میں لرزہ طاری ہوا
تھا اور حالتِ بے قراری میں تھرتھر کانپ رہا تھا۔ کیونکہ اس بار تو مجھ پر ایک ایسی عظیم
مصیبت آپڑی تھی جس کے متعلق میں (پہلے ہی) سن چکا تھا۔

آ! میری جانِ انتظار

اصل: دریائے سندھ میں طغیانی کے ایام میں جب میرے قبلہ رضی اللہ عنہ حافظ
صاحب کے فرزند (ارجمند) کے پاس تعزیت کے حوالے سے کشتی پر سوار ہو کر خیر پور
(سادات) تشریف لائے۔ ایک غلام کو بندے کی طرف روانہ کیا کہ اگر فرصت و
فراغت ہو تو ملاقات ہو جائے۔ آپ کا یہ پیغام بندے پر تازیانے کی طرح اثر گیر
ہوا۔ جلد از جلد روانہ ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ رات خیر پور (علی پور، ضلع مظفر
گڑھ سے سات میل پر واقع شہر) میں گزارنے کا اتفاق ہوا۔

آپ نمازِ عشاء کے بعد (سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے) لیٹ گئے۔ میں آپ کے

جسم کو دبانے لگا۔ میں نے پاؤں مبارک کی ایک انگلی کو کھینچا (مگر) آنحضرت عالی جناب نے پاؤں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یوں بیان فرمایا: "ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں کو چٹخانا مکروہ ہے، یہ کراہت فاعل ومفعول دونوں کے لیے برابر ہے۔ اس کراہت (تنزیہی) کا حکم اندرون اور بیرونِ نماز برابر ہے۔" پھر دوسری رات (سلطان پور کے قریب) بستی رستم بلوچ میں (وہاں آپ کے بہت عقیدت مند رہائش پذیر تھے۔ کسی خوش اقبال شخص کی) دعوت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے تشریف آوری ہوئی۔ جب اس بستی میں زیارت (فیض بشارت) کے لیے مریدین ومعتقدین کا ہجوم ہوا اور خلقت کا ریلا حد سے بڑھا تو حضور عالی مرتبت رضی اللہ عنہ نے سلطان پور روانگی سے قبل ہی جملہ حاضرینِ محفلِ احباب وغلامان کو حکم دیا کہ حضرت حافظ صاحب کے فرزند محمد مسعود کم سن بھی ہیں اور یتیم بھی اور شرعاً یتیموں کے طعام کو تناول کرنا ناجائز ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری دعوت جملہ احباب ومریدین سمیت حافظ محمد اور حافظ نور محمد نیائیان کرنا چاہیں گے اور وہ بھی دونوں غریب ومسکین آدمی ہیں۔ انھیں بھی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ احباب کو چاہیے کہ آئندہ شب ہر شخص اپنے گھر لوٹ جائے اور جب ہم سیت پور پہنچ جائیں تو جو ساتھی بھی ہماری طرف واپس آنا چاہے گا، وہ سیت پور پہنچ جائے۔ حاضرین محفل نے بسر وچشم قبول کیا۔

صبح سویرے سبھی دوستوں اور مریدوں کو رخصت فرمایا اور یہ بندہ، چونکہ حضرت عالی جناب کے دیدار کا شائق تھا، حضور سے ایک طرف ہو کر دور کھڑا ہو گیا۔ حضرت قبلہ کے غلام اور میرے برادرِ طریقت میاں خضر نامی مرد سندھی ہمراہ تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تُو، تو خدمتِ عالی میں حاضر ہے۔ تجھے جب بھی فرصت ملے اس بندے

کے متعلق ضرور عرض کر دینا۔ جو بھی ارشاد ہوگا، اس پر عمل ہوگا۔ میاں صاحب خضر سندھی نے عرض کر دیا، (ویسے) حضور عالی مرتبت تو خود ہی روشن ضمیر تھے۔ انھیں آہستہ آہستہ فرمانے لگے: فلاں (محمد گھلوی) سے کہو، تم دو آدمی باقی دوستوں سے چھپ کر علیحدہ جنگل کا راستہ لو اور جلد ہی ہمارے روانہ ہونے سے پہلے سلطان پور چلے جاؤ۔ پھر بندہ اور میاں مذکور (خضر سندھی) نے جنگل میں سے سلطان پور کا مخفی راستہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ہم شہر کے قبرستان جا پہنچے۔ زیادہ دیر گزرنے نہ پائی کہ آنحضور والا شان اپنے خدمت گزاروں سے علیحدہ، صرف غازی خاں کورائی داد پوترا کے ملازم میاں عبدالکریم، جو کہ حاجی پور سے آپ کے ہمراہ آیا تھا، ہمارے پیچھے اسی جگہ گھوڑے سے اترے۔ آنحضرت قبلہٴ والا شان کی سواری کی باگ میاں خضر (سندھی) مذکور نے پکڑی اور میاں عبدالکریم کے گھوڑے کی باگ ایک اور شخص نے سنبھالی، جو وہاں پر کھڑا تھا۔

خواجہ نور محمد ثانی، حافظ محمد سلطان پوری کی قبر پر

(حضور نے) بندے سے پوچھا: ''تم حضرت حافظ صاحب کی قبر جانتے ہو کہاں ہے؟'' بندہ عرض گزار ہوا: جی ہاں حضور! پھر قبلہ شیخ کریم، بندہ (محمد گھلوی) اور میاں عبدالکریم ہم سب حافظ صاحب کے مزار پر سرہانے کی طرف سے حاضر ہوئے۔ (قبر شریف پر فاتحہ شریف پڑھنے کے دوران) بندے کی توجہ کا محور و مرکز حضور قبلہ مرشدِ کریم کا رخِ انور رہا۔ چونکہ ایک مدت سے مشتاقِ دیدار تھا اور میاں عبدالکریم کی توجہ مزار شریف کی طرف مرکوز تھی۔ (اس پر لطف اور پر کیف حالت میں

)مرشدِ کریم قبلہ حافظ صاحب کے مزار کے سرہانے کی جانب چہرے کے مقابل اور میاں عبدالکریم پاؤں کی طرف آیا اور یہ بندہ مزار کے پسِ پشت کھڑا ہوا تھا۔

اہل اللہ حیاتِ ابدی رکھتے ہیں

جب آنحضور والا شان مزار شریف میں عین چہرے کے مقابل ہوئے تو متبسمانہ انداز اور بے اختیار بشاشت، روئے انور پر ظہور پذیر ہوئی۔ میاں عبدالکریم اس راز سے بے خبر تھے۔ پس اس (گل ریز) تبسّم میں لفظ ''وعلیکم السّلام'' بالکل آہستہ آہستہ قبلہ مرشدی کی زبان سے بطریقِ دشوار بندے کے کانوں تک آیا اور میرے دل میں الہام غیبی کے طور پر یوں پہنچا کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کمالِ شوق و محبّت کی بنا پر سلام کرنے میں سبقت لے گئے۔ وگرنہ سنتِ نبوی ﷺ تو یوں ہے کہ اہل قبور کی زیارت کرنے والا آدمی سلام میں پہل کرتا ہے۔

یہاں سے میں نے اچھی طرح جان لیا کہ اہل اللہ حیات ابدی رکھتے ہیں۔ بہر حال اصحابِ نسبت اور اربابِ کمال کے ساتھ ان کی ہمکلامی بھی ہوتی رہتی ہے۔ یہ حضرات جسمانی کثافتوں سے پاک وصاف اور پیکرِ روحانیت ہوتے ہیں۔

شیخ مرائی کی مکاریاں

اور اس جگہ پر (یہ ذکر بھی خالی از لطف نہ ہوگا) کہ ایک دن میرے قبلہ (شیخ نور محمد ثانی قدس سرہ) گڑھی اختیار خان کورائی (ضلع رحیم یار خان) کے نزدیک بستی رومانیاں میں تشریف فرما تھے۔ علمائے کرام اور فضلائے عظام کا جمِ غفیر موجود تھا۔ بے دینی کی روک تھام کے لیے ہر طرف سے علماء (کثر ہم اللہ تعالیٰ) جمع تھے۔ چنانچہ حضرت قاضی نور محمد کوریجہ صاحب اور ان کے برادر مورِدِ انوارِ وحدۃ الشہود اور منبع

کمالاتِ علمی و عملی سراپا جود وسخا حضرت قاضی محمد عاقل صاحب قدس سرہ اس مجمع میں موجود تھے اور دیگر علمائے کرام جیسا کہ مولوی احمد واعظ اور (قبلۂ عالم کے مرید) مولانا حاجی محمد اکرم اور حافظ اسمٰعیل کے صاحبزادے حافظ احمد صاحب، ان جیسے ہزار کی تعداد سے بھی زیادہ علمائے کرام حاضر تھے۔ ایک شخص شیخ مرائی، محمد فاضل جنونی کے نام سے اس مجمع میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ (جس کا تعارف حضرت مصنّف پہلے تحریر فرما چکے ہیں) جو اپنے کمالات اس صورت ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے مریدین حضور ﷺ کی تعریف و توصیف اور ولادت باسعادت کے ذکر پر مست ہو کر رقص کر رہے تھے۔ عوام الناس میں سے جو بھی اس کے سامنے آ بیٹھتا۔ اپنی (ریا کار) صد دانوں والی تسبیح اس کے چہرے پر پھیرتا تو اسے فوراً وجد سا طاری ہوتا اور حقیقۃً یہ سب کچھ (مکر و فریب اور) جھوٹ تھا۔

[بچہ کار آیدت تسبیح و مرقع
خود را زنکوہیدہ عمل ہائے بری دار [1] (گلستان سعدی)

یہ ریا کاری ہے ظاہر ہو کچھ باطن ہو کچھ
تن کے تو اجلے ہیں لیکن من کے وہ اجلے نہیں (تحسین سبائیوالوی)]

اس دوران میں کسی نے میرے حضرت قبلہ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک عجب تماشا دیکھ کر آ رہا ہوں کہ میاں محمد فاضل کے فقیر (مرید اور عقیدت مند) وجد و حال میں (مست) ہیں، وہ جس شخص کے چہرے پر بھی تسبیح پھیرتا ہے وہ محوِ رقص ہو جاتا ہے۔

[1] ''صوفیت برے اعمال سے بچنے کا نام ہے۔ صوفی وہ نہیں جو فقط تسبیح پکڑے اور گدڑی پوش بن جائے''

حضور عالی جناب فرمانے لگے: ''یہ بزرگ کس سلسلہ (عالیہ) میں کس صاحبِ کمال شخصیت کی بیعت وارادت رکھتے ہیں۔''

کسی نے کہا: ''اپنے ملک (ہندوستان) میں فلاں بزرگ کی مزار پر چند ایام چلہ کشی میں گزارے ہیں، اب اس کا کہنا ہے کہ مجھے (اس صاحب) مزار بزرگ نے راہِ حق کی رہنمائی اور دوسرے لوگوں کے لیے خلافت ِارشاد عطا فرمائی ہے۔

حضور، ہنس دیئے اور کہا:

بیعت وخلافت کے لیے شیخ کا زندہ ہونا ضروری ہے

بیعت وخلافت کے شرائطِ صحت میں سے ایک شیخ کا (جسم مع الروح) زندہ ہونا بھی شرط قرار دیا گیا ہے، کیونکہ زندہ کے ساتھ مردہ کو کوئی مناسبت نہیں ہوا کرتی۔ چونکہ وہ عالمِ ارواح میں گیا ہوا ہوتا ہے، جسم والے کو فقط روح والے سے نسبت نہیں ہوسکتی اور پردۂ وصال میں رہنے والے اہل اللہ سے استفادہ صاحبِ نسبت (خوش بخت آدمی) کا کام ہے اور یہ نسبت زندہ مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ فائدہ بھی میں نے حضرت قبلہ کی زبان (درفشان) سے بذاتِ خود سنا ہے۔

''والحمد للہ علی ذالک'' اور میں اس نعمت پر اس رب کریم کی کریمانہ بارگاہ میں ہدیۂ شکر بجالاتا ہوں۔''

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب کی طرف (ایک بار) پھر لوٹ آتا ہوں۔

اولیاء اللہ، غلاموں کے احوال کے محافظ ہیں

اصل: بندہ ایک بار حضرت حافظ صاحب مرحوم کے مزارِ پرانوار کی زیارت کے ارادے سے سلطان پور گیا۔ جب وضو کر کے آپ کے مزار شریف کے نزدیک پہنچا۔ ارادہ کیا کہ پائنتی کی طرف آتے ہوئے شرفِ قدم بوسی حاصل ہو جائے۔ (ادب و نیاز کی حالت میں) سر نیچا کیے ہوئے میں نے دونوں ہاتھ مزار شریف کے پائین جانب دراز کیے۔ ابھی میرے ہاتھ مزار شریف تک نہ پہنچے تھے کہ یکا یک غیبی قوت سے ظاہری ہاتھ دکھائی دیئے بغیر مجھے اوپر کی طرف کھینچا گیا اور یوں الٹے پاؤں چلنے والا ہوا کہ (پشت کے بل) گرنے کے قریب ہو گیا اور میں بے ہوش سا ہو گیا۔ اسی عین بے خودی اور بے ہوشی کی حالت میں بے ساختہ لفظ السّلام علیکم میری زبان سے نکلا اور اس سلام کہنے میں میرے اختیار کو قطعاً دخل نہ تھا۔ اس وقت سیدھا ہو کر مزار کی پائنتی پر ہاتھ رکھے اور بوسہ دیا اور شرمندہ بھی ہوا کہ مجھ سے سلام کہنا چھوٹ گیا تھا مگر حضرت حافظ صاحب قدس سرہ نے اپنے کمالِ کرم سے مجھے تنبیہ فرمائی اور بیدار کیا۔

جی ہاں! اہل اللہ (محبوبانِ خدا) اپنے غلاموں کے احوال کے محافظ ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنے غلاموں کی لغزشوں پر انھیں خبردار بھی کرتے ہیں مگر اس قسم کی نوازشات بہت کم ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی منت خاص اور فضلِ عمیم نبی پاک ﷺ اور آپ کی آل کے طفیل ان کاملین کے کرم اور فیض سے دین و دنیا میں ان سے دور اور محروم نہ فرمائے، آمین ثم آمین۔

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ بندہ کا مقصودِ اصلی اپنے قبلہ و کعبہ حضرت خواجہ نور

محمد ثانی قدس سرہ کے بعض مناقب کو اس رسالے میں (احاطہ) تحریر میں لانا تھا۔ میرے نزدیک جو کچھ صحیح اور درست روایات (دیدہ وشنیدہ) تھیں وہ میں نے قلمبند کر دیں۔ ویسے آپ کے (فضائل ومحامد اور مناقب ضبطِ تحریر اور سلکِ تقریر میں پرونے سے باہر ہیں۔ جیسا کہ نواب غازی الدین صاحب آپ کی پرنور صورت کا مشاہدہ کرتے ہی آیت کریمہ، ماھذا بشراًان ھذا الاّ ملک کریم ،(یعنی کون انھیں محض بشر کہتا ہے یہ تو کوئی قدسی صفات پیکر نور ہی ہیں) پڑھ لیا کرتے۔

عشق ٹپکتا نظر آرہا ہے

مولانا محبّ النبی حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہ بھی آپ کو عزت ووقار کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جس وقت ہمارے قبلہ قدس سرہ حضور قبلۂ عالم (وعالمیاں) مہاروی قدس سرہ کی پاکیزہ معیت میں حضرت مولانا صاحب قدس سرہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ ہمارے (پردادا پیر) حضرت مولانا فخر الدین قدس سرہ میرے حضرت قبلہ قدس سرہ کے متعلق یوں فرمایا:

''ہمیں تو اس (مردِ خود آگاہ) کی (مست) آنکھوں میں عشق (ٹپکتا) نظر آتا ہے''۔ جی ہاں (پردادا پیر) نے حق اور سچ فرمایا ہے۔ میرے قبلہ اگرچہ وحدتِ حقیقی میں مستغرق تھے، مگر پھر بھی جذبۂ عشق کا وصف آپ کی ذات والاصفات میں حد سے زیادہ غالب تھا۔ اسی طرح آپ کا سماع اور وجد اکثر اوقات عشقیہ اشعار پر ہوتا تھا

مثنوی مولانا روم سے شغف

میاں غلام محمد ناہڑ سکنہ علی پور سے بارہا سنا ہے کہ علی پور کے گردونواح میں جب

بھی حضور والا کی زیارت اور ملاقات کا اتفاق ہوتا۔ نمازِ عشاء سے فراغت کے بعد
لوگ سو جاتے، آپ اپنے غلاموں سے چراغ روشن کراتے اور پھر بندے کو مثنوی
مولانا روم جلد اول سے قصہ عشق صدر جہاں کہ جس میں عشق و محبت کی عجیب و غریب
باریکیاں مذکور ہیں، پڑھنے کا حکم فرماتے۔ میں پڑھتا رہتا اور آپ توجہ کامل سے
سماعت فرماتے اور بہت ہی محظوظ ہوا کرتے اور میاں صاحب مذکور کو کئی مرتبہ خدمتِ
عالیہ میں حاضر ہو کر قصہ پڑھنے کی سعادت میسر ہوئی۔

تین وصیّتیں

اور یہاں پر یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ مرضِ وصال کے وقت سیت
پور میں مقیم تھے۔ دوستوں اور عقیدت مندوں کو یہ وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے
وقت تین کام پورے کیے جائیں۔

(۱) عشقیہ غزلیں پڑھنے کے لیے قوالوں کو بلا لینا۔

(۲) عین نزع کی حالت میں ایک دنبہ ذبح کرنا۔ ایسا کرنا سکراتِ موت میں
سہولت کا موجب ہوتا ہے۔ اس بارے بندہ کی ناقص فہم کے مطابق یوں سمجھ آتا ہے
کہ آنحضرت قبلہ کا ارادہ مبارک اپنی جان قربان کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ گویا
دوست کی راہ میں ایک دنبہ قربان کیا جا رہا ہے۔

(۳) دوستوں اور مریدوں میں سے دو تین آدمی ایسے (مشکل) وقت میں
(حلقہ بنا کر) ذکر اللہ، اللہ، اللہ کا ورد کرتے رہیں۔ چونکہ (زندگی کی ان مشکل اور
قابلِ عبرت گھڑیوں میں) بذاتِ خود ذکرِ لسانی کی قوت نہیں ہوتی اور جسمانی کمزوری

حدِ کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔

حضرت والا کے وصالِ پر ملال کا اتفاق چونکہ راستے میں ہی پڑ گیا، اس لیے دوستوں اور عقیدت مندوں نے ذکر بالجہر تو کیا اور باقی دو وصیّتیں (عشقیہ اشعار اور ذبح گوسفند) پوری کرنے کا اہتمام نہ کر سکے۔

مشغولی حق کا کیا کہنا

میں نے نواب غازی الدین سے سنا ہے۔ انھوں نے میاں محمد جوئیہ کے چھوٹے بھائی میاں محمد بخش کی زبانی نقل کیا کہ میرے حضرت قبلہ قدس سرہ کا قلب مبارک وصال کے بعد ذکر اللہ، اللہ اللہ میں مشغول تھا، جبکہ وہ غسل نہ دیئے گئے تھے۔ کہ محمد بخش نے نزدیک ہو کر وہ آواز سن لی۔ دیگر سارے دوست حضور والا کے ولولۂ فراق میں رونے دھونے اور شدتِ غم کی وجہ سے بے سدھ تھے۔

جب شاہ پور کے نزدیک قطب واہ کے کنارے پر غسل دیا گیا تو وہ ذکر (قلبی) ختم ہو گیا اور ایسا کرنا امرِ شریعتِ مطہّرہ کی رعایت کے پیشِ نظر تھا۔ کیونکہ موت کی وجہ سے انسانی بدن ناپاکی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لیے حضورِ والا دل سے ''ذکر اللہ'' کر رہے تھے۔ چونکہ "مثل الذاکر کمثل الحی "ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی طرح ہوتی ہے اور" مثل الغافل کمثل ا لمیّت" اور غافل کی مثال مردہ کی طرح ہوتی ہے۔ حضور قبلہ کی مشغولی کا کیا کہنا کہ آپ پر کسی وقت بھی غفلت طاری نہ ہوئی تھی۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے فیض سے حصہ وافر ہم غلاموں تک پہنچائے کہ آپ حضور، یادِ حق میں مشغول رہا کرتے۔

"الحمدللہ حمداً کثیراً والصلوۃ علی نبیہ و آلہ بکرۃ واصیلا"

بے شمار تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور صبح وشام درود وسلام اس کے محبوب مکرم اور آپ کی آل پر نازل ہوں۔

یہ کتاب ۲۱ شوال المکرم ۱۲۸۸ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

چونکہ مرقوم نمودم بتمام
ہر دو ملفوظ ز شیخین امام
ہاتفے گفت مرا از خوش خوی
زہ نکو رخت بتاریخش گوی

۱۲۸۸ھ

یعنی جب میں نے حضرات شیخین (دادا پیر حضرت قبلہ عالم اور اپنے شیخ کریم خواجہ نور محمد ثانی) ہر دونوں امامانِ وقت کے ملفوظاتِ طیبات اور احوال ومقامات مکمّل طور پر لکھ ڈالے تو ہاتفِ غیبی (فرشتے) نے خوش ہو کر مجھے یوں فرمایا: ''زہِ نکو رخت'' ان پاکیزہ کلمات سے ان (قابل رشک عظیم شخصیات) کی تاریخ ۱۲۸۸ھ کہنی چاہیے۔

☆☆☆☆

[احقر العباد مولوی غلام جیلانی عرض گزار ہے کہ گیارہ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۰۱۴ء بروز جمعرات پانچ بج کر چالیس منٹ پر رسالہ ہٰذا کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ میں اس کرم پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں۔]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆